مجموعہ

رباعیاتِ مسٹر انیس مرحوم

مرتبہ

سیّد محمّد عبّاس صاحب - ایم - اے

باہتمام

بی - بی - کپور سپرنٹنڈنٹ

نول کشور پریس لکھنؤ

۱۹۴۸ء

قیمت - ۱۲؍

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

فہرست مضامین

عرضِ حال

یوں تو میر انیس مرحوم کی کچھ رباعیاں مراثی انیس کی جلدوں میں طبع ہو چکی ہیں پھر اثنا عشری پریس لکھنؤ نے مجموعۂ رباعیات خاندانِ انیس طبع کیا اُس کے بعد جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی نے ایک مجموعہ مرتب کر کے منشی رحمت اللہ رعد کے مطبع کانپور سے طبع کرایا لیکن ان سب میں عموماً وہی رباعیاں ہیں جو مراثی میر انیس کے ساتھ مطبع منشی نول کشور میں چھپی ہیں مرتب مجموعۂ ہذا کو سنہ ۳۸ء سے رباعیات انیس کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور کچھ عرصہ میں یہ مجموعہ مرتب ہو گیا لیکن یورپ میں جنگ عظیم کا آغاز ہونے اور کاغذ پر کنٹرول کی وجہ سے اس کی طباعت کچھ مدت کے لئے رُک دی پھر جنوری سنہ ۳۹ء

میں بعض احباب کی فرمائش سے اس مجموعہ سے کچھ اخلاقی رباعیاں علیحدہ کرلی گئیں اور امیریہ دارالتالیف محمود آباد ہاؤس نے نظامی پریس لکھنؤ میں طبع کراکے انیس الاخلاق کے نام سے اس کو شایع کردیا افسوس ہے کہ انیس الاخلاق میں کچھ غلطیاں ہوگئی تھیں جو انشاءاللہ دوسرے اڈیشن میں درست کردیجائینگی۔

اِن رباعیوں کے جمع کرنے میں خاندان انیس کے اکثر مرثیہ خوانوں کے بستوں کی تلاشی لی گئی اور اُن سے بہت سی نئی نئی رباعیاں حاصل ہوئیں جو شامل مجموعہ ہٰذا ہیں لیکن اکثر و بیشتر رباعیاں بغیر تخلص کے تھیں اسلئے ان کی شناخت میں کہ یہ انیس کی ہیں بھی یا نہیں؟ بہت دقت ہوئی اور اسکے لئے میں نے اپنے دادا جناب سید علی صاحب مونس مرحوم

سے جو میر انیس مرحوم کے سب سے بڑے نواسے اور عمر میں اس وقت تقریباً

۷۰ سال کے تھے مذ حاصل کی مرحوم میر انیس کے انتقال کے وقت ۳۰

سال کے تھے اور جناب انیس کے پاس برابر حاضر رہتے تھے اور ہر مجلس میں

شریک ہوتے تھے مرحوم کو میں نے کل رباعیاں سنادیں جنکے متعلق فرمایا

کہ یہ نانا صاحب کی ہیں وہ شامل کیگئیں باقی خارج کردیں مرحوم کا حافظہ

بہت قوی تھا انھوں نے اپنی یادداشت سے بہت سی رباعیاں پڑھ

کر سنائیں جو داخل مجموعہ کی گئیں بعض رباعیوں کے متعلق واقعات

بتائے جن کو اس مجموعہ کے مقدمہ یا فٹ نوٹ مین درج کردیا گیا افسوس

ہے کہ ۲۷ اپریل سنہ ۱۹۴۱ع کو مرحوم واصل بہ رحمت حق ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

میں اپنے استادعالی جناب پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی

کا شکرگذار ہون کہ اس مجموعہ کی ترتیب و تدوین کا ذکر کرنے پر جناب موصوف

نے ایک رُباعی میرخلیق صاحب مرحوم کی مجھکو بتائی جس کی بغیر یہ مقدمہ

تشنہ رہ جاتا اور موصوف ہی کی سعی سے اس کی طباعت میں بھی،

آسانیاں پیدا ہو گئیں میرے بھائی جناب سید محمد ہادی صاحب لائق

بھی قابل شکریہ ہیں کہ موصوف نے بھی ان رُباعیوں کے جمع کرنے

میں بہت مدد دی ہے اور اکثر غیر مطبوعہ رُباعیاں موصوف سے

حاصل ہو گئیں :-

اس مجموعہ کی کتابت ہو چکی تھی کہ عالی جناب محمد امیر حسین خانصاحب

بہادر مہاراجہ محمود آباد نے کچھ رُباعیان میرانیس مرحوم کی عطا فرمائین

اور ایک مجموعۂ رُباعیات جناب سیّد محمد اطہر صاحب زائرؔ سیتاپوری
نے عنایت فرمایا ان دونو مجموعوں میں سے ایک رُباعی جس میں تخلص
موجود تھا اور چند اور رُباعیاں جن کے متعلق یقین ہو گیا کہ انیسؔ کی ہیں
آخر میں ضمیمہ شامل کر کے درج کی گئیں۔ ہم سرکار ممدوح جناب
مہاراجکمار صاحب اور جناب زائرؔ کی اس ہمدردی کے بیحد شکرگذار
ہیں۔

سیّد محمد عباس
اگست ۱۹۴۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رباعیاتِ میرانیس

مقدمہ

رباعی کی ابتدا تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر یعقوب صفار (المتوفی ۲۶۵ھ) دربار میں بیٹھا ہوا تھا اہل دربار جمع تھے دفعۃً امیر کا خورد سال بچہ کچھ جوز ہاتھ میں لئے محل سے برآمد ہوا امیر کے بچہ کو دیکھکر اور بچے بھی جمع ہو گئے اور سب مل کر ایک گڑھے میں جوز پھینکنے لگے سات جوز گڑھے میں پہونچ گئے مگر ایک کسی طرح نہیں پہونچتا تھا بعد کوشش بسیار

وہ کامیاب ہوا اور آٹھواں جوز بھی ڈھلک کر گڑھے کے کنارے

پہونچ گیا اور امیر زادہ جوش مسرت میں بے اختیار چلا اٹھا۔

"غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو"

یعقوب ان الفاظ کو سنکر بہت محظوظ ہوا وزرا اور اہل دربار سے

دریافت کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شعر کی قسم معلوم ہوتی ہے چنانچہ امیر کے

حکم سے اس زمانہ کے عربی شعرا ابودلف اور زینت الکعب اس کی

تحقیق اور تقطیع میں مشغول ہوئے اور بتایا کہ وہ بحر "ہزج" کی ایک

قسم ہے اسیوقت اس مصرع پر اسی وزن کے تین اور مصرعے لگاکر

دوبیت پورے کردئے گئے اور اس نوایجاد صنف نظم کا نام دوبیتوں

کی مناسبت سے دوبیتی رکھ لیا کچھ عرصہ کے بعد چار مصرعوں کے لحاظ سے

لوگ اس کو رباعی کہنے لگے جو آج تک رائج ہے بعض لوگوں نے اس کا نام ترانہ بھی لکھا ہے رباعی خاص ایران کی ایجاد ہے۔

رُباعی کی تعریف رباعی فن شعر کی ایک قسم ہے جس میں صرف چار مصرعوں میں شاعر اپنا مطلب ادا کردیتا ہے رباعی کی غرض صرف آخری مصرع میں پُوری ہو جاتی ہے اسلئے کہ شاعر آخری مصرع میں کوئی نکتہ یا لطیفہ یا مثال پیش کرتا ہے اور ابتدائی تین مصرعے اسی کی شرح یا تائید میں ہوتے ہیں عموماً چوتھا مصرع سب سے بہتر اور بلند تر ہوتا ہے۔

رُباعی کا وزن شعرا نے رباعی کو صرف بحر ہزج اخرب اخرم میں منحصر کردیا ہے اور اس کا خاص وزن "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" قرار دیا گیا ہے لہذا جو اس وزن پر نہ ہو وہ قطعہ سمجھا جائے گا رُباعی نہ ہوگی۔

عروضیوں نے رباعی کے چوبیس ۲۴ اوزان مانے ہیں اور وہ سب بحرِ ہزج ہی سے متعلق ہیں ان اوزان کو اخرب و اخرم دو شجروں میں بیان کیا ہے یہاں دونوں کا ایک ایک وزن مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

ہزج اخرم "مفعولن مفعول مفاعیل فعول"

" اخرب "مفعول مفاعیل مفاعیل فعول"

چونکہ شجرۂ اخرب کے اوزان شجرۂ اخرم کے اوزان سے سُبک تر ہیں اسلئے رباعی کے لئے یہی زیادہ مطبوع و مقبول ہوئے۔

رباعی بلحاظ قافیہ بلحاظ قافیہ رباعی دو طرح کی ہوتی ہے رباعی مصرّع اور رباعی خصی یا ناقص اگر رباعی کے چاروں مصرعوں میں قافیہ ہو تو وہ رباعی مصرّع ہے اور اگر پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہو اور

تیسرے میں نہ ہو تو رباعی خصّی یا ناقص کہلاتی ہے متقدمین شعرائے ایران عموماً رباعی مصرع کہتے تھے چنانچہ فردوسی عنصری ابوشکور بلخی وغیرہم کی رباعیاں زیادہ تر مصرّع ہیں۔ متاخرین نے اس شرط کو ضروری نہ سمجھا اور صرف پہلے دوسرے اور چوتھے مصرع میں قافیہ لائے۔

رُباعی کی مقبولیت شاعری اور موسیقی دونوں کا شمار فنونِ لطیفہ میں ہے اور دونوں میں ایک قسم کا ربط و علاقہ ہے اسلئے دونوں ہمیشہ پہلو بہ پہلو چلتی رہیں اور ملی جلی رہیں جس طرح نغمات موسیقی کیلئے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی وزن کے ساتھ منظوم ہوں اسی طرح اشعار کو خاص لحن اور مخصوص ادا سے پڑھنے میں لطف و کیف بہت زیادہ ہوجاتا ہے سلاطین کے درباروں میں ہمیشہ غزلیں قصیدے اور

دوسری نظمیں خاص لہجہ اور لحن سے گا گا کر پڑھی جاتی تھیں اگر شاعر کو موسیقی میں مہارت ہوتی تھی تو وہ خود گاتا تھا ورنہ اپنے ساتھ ایک راوی لاتا تھا جو اسکی نظم گا کر سنا دیتا تھا اور کبھی کبھی درباری مغنی شعرا کی نظمیں گا کر سناتے تھے ۔

رباعی کا وزن موسیقی سے خاص مناسبت رکھتا ہے چنانچہ، رباعی ایجاد ہوتے ہی اس صنفِ شعر کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ ہر شاعر نے رباعی کہنا ضروری سمجھا اور ہر مجلس و محفل میں رباعیاں گائی جانے لگیں علی الخصوص عورتوں اور بچوں میں بہت زیادہ مقبول مطبوع ہوئیں محمد ابن قیس رازی المعجم فی معایئر شعار العجم" کے صفحہ ۹۰ پر ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے وتحقیقت ہیچ وزن از اوزان مبتدع و اشعار

مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر و در طبع آویزندہ
ترازین نیست و بحکم آنکہ ارباب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف
ساختہ اند و طرق لطیف تالیف کردہ و عادت چنان رفتہ است کہ ہر چہ
ازان جنس برابیات تازی سازند آنرا قول خوانند و ہر چہ بر مقطعات
پارسی باشد آنرا غزل خوانند اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام
کردند" اور عنصر المعالی امیر کیکاؤس "قابوس نامہ" میں آئین خنیاگری
کے بیان میں اس طرح کہتا ہے۔

"بس کودکان وزنان و مردمان لطیف طبع برخے بے بہرہ
بناشند تا آنگاہ کہ ترانہ گفتن پدید آمد این ترانہ را نصیب این قوم
کردند تا این قوم نیز راحت یابند و لذت ازانکہ ازوزنہا ہیچ وزنے

لطیف ترا زوزن ترانہ نیست"۔

رباعی کے مقاصد: شروع شروع میں رباعی کے مقاصد صرف اصناف نازک یعنی بچوں اور عورتوں کو خوش کرنے تک محدود تھے جیسا کہ عبارات مذکورۂ بالا سے منکشف ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد صوفیائے کرام نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کیا اور مسائل تصوف اور مضامین نعت و منقبت رباعیوں میں نظم کئے جانے لگے پھر شعرائے دربار اس کی طرف متوجہ ہوئے اور رباعی کے ذریعے بادشاہوں اور رئیسوں کے دربار میں مطلب برآری کرنے لگے۔

رباعی چار مصرعوں کی ایک چھوٹی سی نظم ہونے کی وجہ سے بدیہہ گوئی کے لئے بہت موزوں ہے اکثر بادشاہ اور امرا کسی

خاص واقعہ سے متاثر ہو کر درباری شاعر کو فوراً نظم کرنے کا حکم دیدیتے تھے۔ شاعر پر اس کی تعمیل لازم ہوتی تھی ایسے موقع پر وہ رباعی سے کام لیتا تھا اور حکم ملتے ہی فوراً مناسب محل رباعی نظم کر کے سنا دیتا تھا اسی طرح بعض ہنگامی واقعات مثلاً شکریہ شکایت تہنیت معذرت اور فخر کے مواقع پر بھی رباعی ہی سے کام لیا جاتا تھا چنانچہ اس قسم کے واقعات اور رباعیاں تذکروں میں موجود ہیں۔ غزنوی دور کے شعرا مثل فردوسی عنصری اور اسی عہد کے دوسرے درباری شعرا کی رباعیاں انھیں ہنگامی واقعات، حسن و عشق کے معاملات اور مدح شراب پر مشتمل ہیں

دور اول کی رباعیوں کی نایابی

رباعی کے ایجاد کو ایک صدی سے زیادہ زمانہ گذر گیا مگر ابھی تک اس کی طرف خواص کی توجہ

نہیں ہوئی تھی تذکرہ نویس اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت
ایران میں اہل عرب برسراقتدار تھے عربی زبان اور لٹریچر کی قدر تھی
فارسی چونکہ کفار کی زبان تھی اسلئے اس میں لکھنا پڑھنا اور اُس کے
لٹریچر کو رواج دینا کفر کے مُرادف خیال کیا جاتا تھا اور فارسی کے
پرانے لٹریچر کو ضائع کرنا جزو ایمان سمجھا جاتا تھا غرضکہ جس وقت
تک دیالمہ اور سامانی جو ایرانی مسلمان تھے صاحب اقتدار نہوئے
اس وقت تک فارسی لٹریچر کیطرف کسی نے توجہ نہیں کی حکومتوں کی
جانب سے فارسی علوم اور ادب کو شایع کرنیکی سخت ممانعت اور مخالفت
رہی عوام اکثر وقتاً فوقتاً فارسی ادب سے کام لیتے تھے اور اس میں نظم
بھی کرتے تھے لیکن ان کو منضبط کرنے کا ارادہ نہیں کرتے تھے

اسی کی طرف صاحب آتشکدہ حالات ابوالحسن رودکی میں اشارہ کرتے ہیں۔

اور روزگار سلاطین آل سامان بودہ و نخست در گنجینہ شعر فارسی را او بہ کلید زبان کشودہ گویند بغیر شعرے از بہرام گور و مصرعے از خلف یعقوب ابن لیث صفار شعرے بزبان فارسی گفتہ نشدہ و اگر ہم شدہ تخیل کہ بعلت دولت عرب ضبط نہ شدہ بہر حال تا زمان رودکی شاعرے صاحب دیوان نہ بودہ"

تذکرہ نویس یعقوب صفار کے لڑکے کو سبب ایجاد رباعی قرار دیتے ہیں اور اسکے متعلق ایک واقعہ بھی تحریر کر دیتے ہیں اسی طرح شعر فارسی کے ایجاد کے متعلق بھی ایک واقعہ لکھتے ہیں اور اس ورق قحط الاشعار کا سبب عرب

حکمرانوں کا اہل ایران اور فارسی لٹریچر سے تعصب بتاتے ہیں مؤرخین
خاموش ہیں لیکن یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ عرب حکمرانوں کا تعصب اور
انکے احکام امتناعی اپنے عہد کے مؤرخین کے دست قلم کو روک سکتے تھے مگر
لوگوں کے دل و دماغ پران کی حکومت نہ تھی اشعار ان کے دماغوں سے
محو نہیں کئے جا سکتے تھے۔ کیا وجہ کہ لوگوں کے دماغوں میں محفوظ نہیں
رہے اور جب ایرانی مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تو کیوں ضبط تحریر میں نہیں
آگئے ڈیڑھ سو برس کا زمانہ زیادہ نہیں اس میں تقریباً تین نشتیں ہو نگی زبانی
یاد رکھ سکتے تھے اور بعد میں لکھ سکتے تھے بہت سے تاریخی واقعات جن کے
چھپانے کے لئے حکومتوں نے بے انتہا کوششیں کیں انکے منضبط
کرنے والے کو سخت سے سخت سزائیں دیں مگر وہ نہ چھپ سکے تو کیا سبب کہ

اس قلیل مدت کے اشعار اور رباعیاں عربوں کے فنا کرنے سے فنا ہو گئیں

بہر حال واقعات جو کچھ بھی ہوں فارسی رباعی کی ابتدا شیخ ابوالحسن خرقانی سے

جو عہد دیالمہ کے ایک بڑے صوفی بزرگ تھے معلوم ہوتی ہے -

صوفیانہ رباعیاں
شیخ ابوالحسن خرقانی

چوتھی صدی کے اوائل سے دیالمہ کا عروج شروع ہوا یہ علما اور علم کے قدر دان تھے اور چونکہ یہ لوگ ایرانی النسل تھے انھوں نے فارسی ادب کو فروغ دینا شروع کیا ان کے زمانہ میں تصوف بھی ترقی کرنے لگا اور صوفی شعرا کی قدر ہوئی تصوف کا جزو موسیقی ہے اور رباعی کا وزن موسیقی سے مناسبت رکھتا تھا اسلئے شعرا نے رباعی کے پردے میں عشق حقیقی کی تعلیم دینا شروع کی اور صوفیوں کی مجلس سماع میں رباعیاں گائی جانے لگیں سب سے پہلے

شخص جنھوں نے رباعی کے پردے میں تصوف کی اشاعت کی شیخ

ابوالحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ ہیں آپ کی رباعیاں مجمع الفصحا

اور آتشکدہ میں موجود ہیں آپ عموماً پرانی فارسی اور پہلوی آمیز زبان نظم

کرتے تھے۔ ان سے قبل حضرت بایزید بسطامی کی طرف بھی چند

رباعیاں منسوب نظر آتی ہیں مگر وہ پایۂ اعتبار کو نہیں پہونچتیں شیخ خرقانی

کا معاصر باباطاہر عریان ہمدانی تھا اس نے بھی ایک مجموعۂ رباعیات

قصبہ رے کی دیہاتی زبان میں نظم کیا لیکن اس نے رباعی کے مخصوص

وزن بحر ہزج اخرب یا اخرم کو ترک کر کے بحر ہزج مسدس کو جس کے

ارکان مفاعیلن مفاعیلن فعولن" ہیں اختیار کیا لہذا اس کی رباعیاں

رباعی کہے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔

ابو سعید ابی الخیر | اسی عہد کے بہت بڑے صوفی شاعر حضرت سلطان ابو سعید ابن ابی الخیر ہیں آپ کی رباعیاں مسائل تصوف تبلیغ مذہب اور پند و نصائح کے مضامین سے پر ہیں تصوف میں آپکے اور تصانیف بھی موجود ہیں مشاہیر شعرائے صوفیہ مثلاً عطار رومی جامی وغیرہ نے آپکی رباعیوں اور دیگر تصانیف سے تصوف میں کافی مدد حاصل کی ہے آپکی رباعیوں کے کئی اڈیشن مشرق و مغرب میں طبع ہو چکے ہیں آپکی وفات ۴۴۰ھ میں واقع ہوئی۔

بابا فضل کاشانی | صوفی باصفا شاعر حق نما عالم عامل حکیم فاضل بابا افضل الدین کاشانی بھی اسی دور کی یادگار ہیں آپ کی رباعیاں، اسرار تصوف اور رموز حقیقت کے بیان میں ہیں آپ کی اکثر رباعیاں، عمر خیام کی رباعیوں کے ساتھ مخلوط نظر آتی ہیں تذکرہ نویس آپکے زمانے کے

متعلق مشکوک ہیں بعض آپ کو محقق طوسی کا معاصر اور بعض محمود غزنوی

کا ہمعصر کہتے ہیں۔

عبداللہ انصاری | عہد سلاطین سلجوقیہ میں بھی کئی رباعی گو شاعر

گزرے ہیں ان میں سب سے پہلا نام شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل حضرت عبداللہ

انصاری کا ہے آپ ۳۹۶ھ میں بمقام ہرات متولد ہوئے آپ اپنے تئیں حضرت

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد بتاتے ہیں آپ فارسی اور عربی

دونوں زبانوں میں نظم کرتے تھے آپ کا کلام زیادہ تر عجز و تقصیر طلب مغفرت

اور نصیحت و موعظت سے مملو ہے آپ کی ایک فارسی مناجات جو نظم و نثر کا

مجموعہ ہے بہت دلکش اور مقبول خاص و عام ہے اس میں رباعیاں بھی شامل

ہیں آپ کی بھی بعض رباعیاں خیام کی رباعیوں میں ملی ہوئی ہیں اسی زمین

امام محمد غزالی اور ان کے بھائی احمد غزالی نے بھی چند رُباعیاں لکھی ہیں۔

فریدالدین عطار سلجوقی دور کے بزرگترین صوفی شاعر اور بڑے بڑے صوفی شعرا کے رہنما شیخ فریدالدین عطار ہیں آپ کی ولادت ۵۱۳ھ میں بہ عہد سلطان سنجر ابن ملکشاہ سلجوقی بمقام کدکن ضلع نیشاپور ہوئی اور ۶۲۷ھ میں ایک چنگیزی سپاہی کے ہاتھ سے مقتول ہوئے آپ کی تصنیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے جس میں ایک مجموعہ رباعیات بھی شامل ہے اور اس کا نام "مختار نامہ" ہے اس کا دیباچہ نثر میں ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے چھ ہزار رُباعیاں نظم کیں اور ان میں سے پانچ ہزار انتخاب کر کے موجودہ منتخب کو اختیار کیا اور اس کا نام مختار نامہ رکھا اور بقیہ رُباعیاں دیوان غزلیات میں شامل کر دیں مختار نامہ

۵۰ باب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں ایک مستقل مسئلہ تصوف کے متعلق رباعیان نظم کی ہیں مختار نامہ کلیات عطار کے ساتھ مطبع نولکشور میں طبع ہو چکا ہے۔

مولا رومی | مولا جلال الدین رومی نے بھی جنکی تمامتر شہرت اونکی مثنوی کی بدولت ہے بہت کثرت سے رباعیان نظم کی تھیں جن کا مجموعہ مطبع اختر اسلام بول نے ۱۳۱۲ھ میں طبع کیا تھا لیکن اب نایاب ہے۔ انکی رباعیاں بھی انکی غزلوں اور مثنوی کیطرح تغزل و تصوف کے مسائل سے پر ہیں

عمر خیام | ملک شاہ اور سلطان سنجر کے دوران حکومت میں حکیم عمر ابن ابراہیم الخیام سب سے مشہور رباعی گو شاعر گزرا ہے یہ عربی کا بہت بڑا عالم اور مختلف علوم و فنون کا فاضل تھا اور اسی لئے اس کو حکیم کا لقب دیا گیا تھا۔ علوم ریاضی نجوم فلسفہ صرف و نحو وغیرہ میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا علم نجوم میں اس کے بہت سے تصنیفات ہیں نظم میں صرف رباعیاں موجود ہیں۔ جو کبھی کبھی تفریح طبع کے لئے کہہ لیا کرتا تھا مگر اس کی زیادہ تر شہرت انھیں رباعیوں کی بدولت ہے یہ

رباعیاں عموماً فلسفیانہ رنگ کی ہیں اور ان میں اس نے (ایپی کورس
EPICURUS. کے نظریہ زندگی (یعنی انسان فانی ہے نہ معلوم
کب موت آجائے لہذا آج ہی لطف زندگی حاصل کر لیا جائے) کی
تعلیم دی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ مشرق سے زیادہ آج مغرب میں مقبول
ہیں قریب قریب تمام مغربی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بعض
ایڈیشن مصور بھی چھپے ہیں رباعیوں کی تعداد مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں
میں ۷۰ سے ۱۲۰۰ تک پہونچتی ہے اکثر دوسرے شعرا کی رباعیاں بھی
اس کے مجموعہ میں شامل ہیں ۔

سرمد | ہندوستان میں مسلمانوں کے وارد ہونے کے بعد سے
یہاں بھی عربی فارسی کا چرچا ہو گیا تھا سلاطین اور امرا کی زبان فارسی

تھی اور سب اہل علم کی قدر کرتے تھے اس وجہ سے ایران سے برابر علما اور شعرا کسب معاش کی غرض سے یہاں آیا کرتے تھے اور بعض یہیں رہجاتے تھے اورنگ زیب کے عہد میں ایک شاعر سرمد نام ایران سے بہ سلسلۂ تجارت ہندوستان آیا اور بالآخر یہیں کا ہو گیا یہ کاشان کا رہنے والا تھا اور نسلاً یہودی یا عیسائی تھا لیکن آغاز عمر ہی میں مسلمان ہو گیا تھا سنہ ۱۰۷۰ ہجری میں دارا شکوہ کی طرفداری کے الزام میں قتل کیا گیا اسکی رباعیاں بھی عشق حقیقی اور مجازی دونوں سے متعلق ہیں اسکا مجموعہ بھی طبع ہو گیا ہے۔

دیگر رباعی گو | متذکرہ صدر رباعی گو تو فارسی کے ممتاز رباعی گویوں میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ غیر معروف رباعی گو بھی ہیں جن کا ذکر اور کلام صرف تذکروں میں موجود ہے اور بہت کم لوگ انکے

نام سے واقف ہیں زمانہ ان کے ساتھ ان کے کلام کو بھی فنا کر چکا۔ تذکروں میں اکثر ایسے شعرا کے کلام کا انتخاب موجود ہے جس کو دیکھ کر ان کے کمال کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بیشک اُنھوں نے اپنے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کی ہوگی اور یہ اپنے عہد کے استاد ہونگے اس مختصر مقدمہ میں ہم چند سطریں ان کی بھی نذر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی یاد از سر نو تازہ ہو جائے۔

سید محمد جامہ باف آپ مشہد مقدس کے سادات سے تھے آپ کو بھی عرفا اور اولیا کی طرح رُباعی گوئی کا شوق تھا تخلص آپ کا فکری بتایا جاتا ہے اور آپ میر رباعی مشہور ہیں ہندستان بھی تشریف لائے تھے سنہ ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

درویش مقصود تیر گر | ہرات کے رہنے والے تھے ابتدائے عمر میں مشہد مقدس چلے گئے وہاں تیر گری کرتے اور فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے رباعی خوب کہتے تھے اور اہل خراسان اُن کو استاد جانتے تھے کمال اسمٰعیل کے معاصر تھے اور ان کی رُباعیوں کے جواب بھی کہا کرتے تھے۔

میر محوی | ہمدان کے رہنے والے تھے پھر نیشاپور میں سکونت اختیار کی آخر ہندوستان گئے اور وہاں سے پھر وطن واپس چلے آئے۔

مولانا مومن حسین | مومن تخلص کرتے تھے نیرد کے رہنے والے تھے مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ بجز خواص کے عوام سے راہ و رسم نہ رکھتے تھے۔ میرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے اور رباعی کہتے تھے۔

ان رُباعی گویوں کے ذکر سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فارسی زبان

میں صرف اتنے ہی رباعی کہنے والے تھے نہیں بلکہ قریب تمام شعرائے ایران و ہندوستان نے دیگر اصناف شعر کے ساتھ رباعی گوئی بھی کی اور یہ لوگ جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے یا تو محض رباعی کہتے تھے یا رباعی گوئی میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے دیگر شعرائے غزل گو یا قصیدہ گو کے دیوانوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے مگر امتیاز اور خصوصیت صرف ایک ہی صنف میں حاصل ہوئی مثلاً انوری خاقانی اور قاآنی قصیدہ گوئی میں ممتاز ہیں لیکن رباعیاں انھوں نے بھی نظم کیں فردوسی۔ نظامی اور رومی مثنوی کے بادشاہ ہیں مگر رباعیاں ان کی بھی موجود ہیں۔ حافظ اور سعدی پیغمبر غزلگوئی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کی بھی رباعیاں ان کے کلیات میں ملتی ہیں

اور ان شعرا کی اکثر رباعیاں ایسی بھی ہیں جو خیام اور ابو سعید کی رباعیوں میں مل کر اپنے کو اجنبی ثابت نہیں کرتیں۔

اُردو کی رُباعیاں

فارسی زبان اور فارسی شاعری ہندوستان میں آنے سے قبل مکمل ہو چکی تھی شعرائے ایران جو ہندوستان آکر آباد ہو گئے تھے اور شعرائے ہند جنھوں نے بعض ایرانیوں سے فارسی سیکھی تھی وہ تو فارسی کی ہر صنف میں نظم کرتے تھے ہندوستانیوں اور ایرانیوں کے اختلاط سے ایک نئی زبان عالم وجود میں آگئی جو اردو کہلائی۔ کچھ عرصہ تک زبان عوام میں محدود رہی اور شاعروں نے کوئی توجہ اس کی جانب نہ کی بالآخر شاہان دکن نے اس کو ترقی دینا شروع کی امرا اور سلاطین ہی کی توجہ سے شعرا بھی پیدا

ہونے لگے نمونہ کیلئے شعرائے فارسی کا کلام تو موجود ہی تھا زبان میں الفاظ
بھی بہت کچھ فارسی کے تھے اردو کے شاعروں کو زیادہ دقت نہیں ہوئی
اور انھوں نے ابتدا ہی سے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی شروع کردی
یہی سبب ہے کہ ہم کو اردو میں ابتدا ہی سے مرثیے مثنویاں قصیدے غزلیں
اور دیگر نظمیں ملتی ہیں۔

ادب اردو کا اب تک کوئی شاعر ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے تمام
اصناف سخن سے قطع نظر کر کے صرف رباعی ہی نظم کی ہو بلکہ ہمارے شعرا
نے قصیدہ غزل مثنوی یا مرثیہ پر کل قوت صرف کر دی اور ضمناً رباعیاں بھی
نظم کیں شعرا کے دیوان اور کلیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ قریب قریب ہر شاعر نے دیگر اصناف نظم کے ساتھ ساتھ رباعیاں

بھی کم و بیش ضرور کہی ہیں لیکن ابو سعید۔ افضل۔ خیام وغیرہ کی طرح اردو میں ایک شاعر بھی ایسا نہیں ملتا جس نے صرف رباعیاں، کہی ہوں اور دوسرے اصناف نظم کو ترک کر دیا ہو۔

خیام کا مسلک جس کی اس نے اپنی رباعیوں میں تبلیغ کی ہے مغرب کے آزاد اور زندہ دل لوگوں کے طبائع کے موافق ثابت ہوا اس لئے اہل مغرب نے ان رباعیوں کو بہت پسند کیا اور ان کو ترقی دینا شروع کی اور انہیں کے ساتھ اور فارسی رباعی نگاروں کی رباعیاں بھی طبع ہوتی گئیں ورنہ صرف خیام کی رباعیوں کی تو ہر عہد میں قدر کی گئی باقی اور لوگوں کی رباعیاں کتب تذکرۂ شعرا کی جلدوں کے باہر نہ آ سکیں۔

شعرائے اُردو نے رُباعیوں میں بالعموم وہی مضامین باندھے ہیں

جو وہ اپنی غزلوں میں نظم کیا کرتے تھے ان کی رُباعیوں میں حمد و نعت

و منقبت پند و نصائح تغزل تصوف اور جو جو مضامین غزلوں میں،

ہوتے ہیں سب موجود ہیں بعض درباری شعراکی رباعیاں ہنگامی واقعات

بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

اُردو شاعری کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا

کس صنف سے ہوئی شعرائے دکن اردو کے سب سے قدیم شاعر معلوم ہوتے

ہیں انکے کلام میں ہر طرح کی نظمیں موجود ہیں لیکن مرثیہ اور مثنوی کا عنصر

زیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دربار شاہان دکن سے تعلق

رکھتے تھے اور شاہانِ دکن زیادہ تر مذہب اثنا عشری کے پابند

اور محبت اہلبیت میں غلو رکھتے تھے اس لئے وہ اپنے اعتقاد کے بموجب

ثواب آخرت حاصل کرنے کے لئے خود بھی مرثیہ کہتے تھے اور ان کی خوشنودی

کے لئے ان کے عہد کے شعرا بھی مرثیہ گوئی ہی میں مشغول رہتے تھے دکنی

شعرا کی مثنویاں بھی عموماً نعت و منقبت اور غزوات رسول پر مشتمل ہیں بعض شعرائے

دربار کی مثنویاں بادشاہ وقت اور امرا کی مدح میں بھی ہیں شعرائے دکن کے

مصنفات میں رباعیاں ہم کو ابتدا ہی سے ملتی ہیں مگر شروع میں وہی

عاشقانہ رنگ کی ہیں آگے چل کر ولی کے زمانہ سے رباعیوں میں مصائب

خاندان رسول کا بھی ذکر شروع ہو گیا اور مرثیانہ رباعی کی ابتدا ہو گئی۔

پھر سودا اور میر کے عہد سے ہجو اور مدح بھی شامل ہو گئی اور اس طرح

اردو میں بھی رباعی کا بہت کافی لٹریچر ہو گیا۔

اُردو کا پہلا رباعی گو وجہی | اُردو کے سب سے پہلے شاعر جن کے کلام میں ہم کو رباعیاں بھی ملتی ہیں بہ ظاہر وجہی معلوم ہوتے ہیں وجہی گولکنڈہ کے نہایت قدیم اور اوّل درجہ کے اردو ادیبوں میں تھے۔ یہ ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے ان کا تعلق تھا جس کی مدح میں ایک مثنوی "قطب مشتری" تصنیف کی جو اب تک موجود ہے یہ نظم و نثر دونوں میں کمال رکھتے تھے انھوں نے کچھ رباعیاں بھی نظم کیں جن میں سے دو "اردو شہ پارے" صفحہ ۹۶ پر درج ہیں یہاں ایک رباعی نمونہ کے طور پر ہدیہ ارباب نظر کی جاتی ہے۔

خوش حال ہو جیو آج خوشی پاتا نین | پیتا ہوں شراب ہور اترا تا نین
کانٹیاں کے ضرب دستے من گل سب | تج باج سکی باغ مجھے بھاتا نین

ولی دکنی | اُردو کے دوسرے قدیم شاعر جن کے کلیات میں باعیات بھی شامل ہیں ولی دکنی ہیں یہ احمد آباد گجرات کے رہنے والے اور شاہ وجیہ الدین کے خاندان سے تھے ان کی ولادت بہ عہد اورنگ زیب ہوئی اور محمد شاہ کے زمانے میں دلّی میں آکر شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید اور شاگرد ہوئے یہ کوئی تعلیم یافتہ آدمی نہ تھے البتہ صحبت یافتہ ضرور تھے۔ خاندانی تعلیم اور حسن صحبت سے کم علمی ظاہر نہیں ہونے پاتی تھی تصوف میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی تصنیف کیا جس کا نام "نور المعرفت" رکھا اور ایک دیوان اشعار مرتب کیا جس میں غزلیں باعیاں قطعے مخمس وغیرہ ہیں رباعیان عموماً تغزل اور تصوف میں کہیں لیکن ایک باعی رثائیہ بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رثائیہ رباعیاں ولی کے زمانہ سے نظم ہونے لگی تھیں۔ ملاحظہ ہو

کونیں حسن حسین کا ممنوں ہے   اس یادسوں عشرت کا سینہ محزوں ہے

ایسوں کے اوپر روار کھا داغ فلک   جس داغ سوں لالہ کا جگر پرخوں ہے

سودا اور ہجو | دکی کے بعد سودا اور میر زبان اور نظم اردو کے پیغمبر سمجھے جاتے تھے ان دونوں شاعروں نے بھی رباعیاں کثرت سے نظم کیں۔ مگر دیگر اصناف شعر کے ساتھ ساتھ ضمناً کہیں سودا قصیدہ اور ہجو کے بادشاہ تھے اور میر تغزل و تصوف کے اور یہی مضامین ان کی رباعیوں میں بھی پائے جاتے ہیں سودا نے بعض رباعیاں بادشاہ وقت اور رؤسا کی مدح میں کہی ہیں اور بعض اپنے معاصرین کی ہجو میں انکے علاوہ تغزل و تصوف اور پند و نصائح میں بھی بکثرت ہیں۔

سودا کے معاصر ایک مولوی ندرت کشمیری تھے جو اکثر ان کی ہجو کہا

کرتے تھے اور اپنے دیگر معاصرین کی بھی ہجو کہتے تھے مرزا صاحب ایک رباعی انہیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی ہجو میں فرماتے ہیں:-

گر ہجو پہ سودا کی اسے رغبت ہے   کرنے دو کہ گیدی کے تئیں رجعت ہے
موزوں نہ کرے شعر کو اپنے احمق   کرتا پھرے ہجو لوگوں کی مدرست ہے

ناہدان ریائی کی اکثر شعرائے فارسی و اردو نے خبر لی ہے سودا نے بھی اپنی غزلوں اور دوسری نظموں میں ان کی ہجو میں بہت سے اشعار کہے ہیں یہاں ہم ایک رباعی جو ایسے زاہدوں کی ہجو میں ہے پیش کرتے ہیں

اے شیخ حرم تک تجھے جانا آنا   یہ طوف جولاہے کا ہے تانا بانا
پہچانے گا داں کیا اسے حیراں ہوں میں   جس کو حرم دل میں نہ تئیں پہچانا

میر | میر تقی میر کی رباعیوں میں بھی ان کی غزلوں کی طرح تصوف

اور تغزل زیادہ ہے کچھ رباعیاں حمد و نعت اور پند و نصائح میں بھی ہیں بعض بے ثباتی دنیا کے متعلق ہیں اور کچھ رثائیہ بھی۔ میر صاحب کی ایک رباعی جو تغزل میں ہے ملاحظہ ہو۔

پردہ نہ اٹھاؤ بے حجابی نہ کرو | ہووے گی قیامت اک شتابی نہ کرو
عالم عالم بسی ہے خلق عالم | برباد نہ دو ابھی خرابی نہ کرو

ایک رثائیہ رباعی مصائب سید الشہداء علیہ السلام میں اس طرح فرماتے ہیں۔

اترا تھا غبار نہ کنارے آکر | لب خشک ہوا سو نور چشم حیدر
تر حلق دم آب سے اس کا نہ ہوا | اے آب فرات خاک تیرے سر پر

حضرت خواجہ میر درد نے بھی کچھ رباعیاں نظم فرمائی ہیں نمونہ کی رباعی ملاحظہ ہو

رباعی

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا | یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں گل نہ کب تلک پریشاں نظری | اب مونذ لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

میر حسن | مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر کے معاصر اور متبع اپنے اخلاف کے استاد اسلاف کا فخر جناب میر غلام حسن صاحب حسن مصنف مثنوی "سحر البیان" ہیں آپ کی ولادت دہلی میں اور وفات لکھنؤ میں ہوئی۔ عمر کا زیادہ حصہ فیض آباد میں بسر ہوا دنیائے شاعری میں آپ کی شہرت و مقبولیت آپ کی مثنوی مذکورہ کی بدولت ہے، درحقیقت آپ تمام اصناف نظم پر قادر تھے جس کے ثبوت میں آپ کا کلیات موجود ہے اس میں متعدد مثنویاں دیوان غزلیات رباعیات قصائد مسمط ترجیع بند اور ابیات شامل ہیں نثر میں اردو شعرا کا تذکرہ مرتب کیا جو طبع بھی ہو گیا ہے آپ نے مرثیے اور سلام بھی نظم کئے مگر وہ بہت کمیاب ہیں کلیات میں آپ کی رباعیاں سَو سے متجاوز ہیں جن میں زیادہ تر حمد و نعت و منقبت و مرثیت تصوف

چند نصائح اور مدح پر مشتمل ہیں ایک کثیر تعداد پسران اہل حرفہ کی مدح میں ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم یہاں چند رباعیاں مختلف موضوع کی حوالہ قرطاس کرتے ہیں۔ وحدت وجود کے متعلق ایک رباعی اس طرح فرماتے ہیں:

ظاہر بھی تو ہی ہے اور نہاں بھی تو ہی | معنی بھی تو ہی ہے اور بیاں بھی تو ہی
دونوں عالم میں تجھ سوا کوئی نہیں، | یاں بھی تو ہی ہے اور وہاں بھی تو ہی

واقعات کربلا کے متعلق کئی رباعیاں ہیں ہم یہاں صرف ایک رباعی پیش کرتے ہیں۔

کیا وحش و طیور انس و جان عالم میں | جو ہیں سو حسن وہ روتے ہیں اس غم میں
روشن نہ سمجھ ضریح پر قندیلیں | جلتے ہیں یہ دل حسینؑ کے ماتم میں

چند رباعیاں نواب شجاع الدولہ بادشاہ اودھ کے انتقال پر نظم کیں جن میں سے ہم ایک رباعی یہاں درج کرتے ہیں اس رباعی میں ایک خصوصیت

یہ بھی ہے کہ اس سے اس دن کی موسمی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے:-

دیتے تو دیا فلک نے صدمہ یہ حسن	برابر کے ہونے سے بہی تھا روشن
یہ دیکھ کہ ماتم شجاع الدولہ	اس نے بھی لیا تھا اپنے منہ پر دامن

پسران اہل حرفہ کی مدح میں کثرت سے رباعیاں ہیں ہم یہاں ایک رباعی جو

پسر گازر کی مدح میں ہے تحریر کرتے ہیں:-

اس دھوبی کے لڑکے کو جو میں کل پایا	دل ہاتھوں سے اسکے اپنا بیکل پایا
کیا جانیئے میل خاطر اس کی کیا ہے	اجلی جامہ کو اس نے جو میرے کلپایا

اس رباعی میں "دھوبی" "میل" "جامہ" اور "کلپایا" میں صنعت مراعات النظیر

ہے اور "کل پایا" "بیکل پایا" اور "کلپایا" میں صنعت تجنیس ہے -

میر خلیق | میر حسن مرحوم کی رباعیاں ان کے کلیات میں محفوظ

ہونے کی وجہ سے پہچان لی گئیں لیکن باوجود کوشش میر خلیق مرحوم کی

رباعیاں دستیاب نہیں ہو سکیں اسکے کئی وجوہ ہیں اول تو یہ کہ شاعر ہر رباعی

میں اپنا تخلص لانا ضروری نہیں سمجھتا اس وجہ سے تمیز نہیں ہو سکتی دوسرے

یہ کہ رباعی میں جو ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے ایک شاعر کے رنگ کا دوسرے

کے رنگ سے امتیاز کرنا بہت دشوار ہے خصوصًا جبکہ سب نے ایک ہی قسم

کے مضامین نظم کئے ہوں اور ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان کے

افراد ہوں اس لئے کہ اس میں تو زبان بھی بہت کچھ ملتی جلتی ہوئی ہوگی۔

ہمارے پاس ایک بیاض ہے جس میں میر انیس مرحوم اور ان کے اسلاف

و اخلاف کی اکثر رباعیاں لکھی ہوئی ہیں لیکن اُن میں امتیاز بہت دشوار ہے

صرف وہ رباعیاں جو کتابوں میں چھپی ہوئی موجود ہیں یا لوگوں کے سینوں میں

محفوظ ہیں پہچانی جا سکتی ہیں۔ ہم کو میر خلیق مرحوم کی صرف ایک سندی رُباعی ملی ہے وہ ہماری بیاض میں بھی موجود تھی مگر ہم لاعلم تھے ایک مرتبہ جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی سے تذکرہ کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ میر خلیق مرحوم کی ہے۔ اس کی سند یہ ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف سے جناب آرزو صاحب نے بیان کیا ان سے ان کے والد سید ذاکر حسین صاحب یاسؔ مرحوم نے اور ان سے ان کے استاد میر نواب صاحب مونسؔ نے فرمایا کہ بھائی صاحب (میر انیس مرحوم) اکثر فرمایا کرتے تھے کہ زبان جیسی باباجان (میر خلیق مرحوم) نظم کر گئے ہیں ہم کو بھی نہیں آئی اور اس کی مثال میں یہ رباعی سناتے تھے ملاحظہ ہو۔

عابد جو اٹھا کے رنج واندوہ آئے | اک شور ہوا کہ شاہ والا آئے
ہمجولیاں آئیں تو کہا صغرا نے | کچھ تم نے سنا ہمارے بابا آئے

نسخہ غلط تھا کہ وطن میں شاہ والا آئے۔

میر خلیق مرحوم کا زمانہ مرثیہ کے شباب کا زمانہ تھا وہ پرانا فقرہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" اس زمانہ کے مرثیہ گویوں پر صادق نہیں آتا تھا بلکہ مرثیہ گوئی ان حدود سے گزر کر بام ترقی پر پہونچ گئی تھی۔ میر خلیق مرزا فصیح۔ میاں دلگیر اور میر ضمیر کے مرثیے ادب اُردو کے جواہرات سے دامن اپنے لئے ہیں یہ مرثیے فصاحت و سلاست و محاورات تخیل و محاکات اور صفائی بندش و حسن ادا کے اچھے خاصے نمونے ہیں اور روایات کا مجموعہ اور مناقب و مصائب اہلبیت کا مخزن ہیں اس عہد کی رباعیاں بھی ایسی ہی ہیں میر خلیق مرحوم کی ایک رباعی بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی جو اس سے قبل درج کی گئی :-

میر ضمیر کی کچھ رباعیاں ان کے مراثی کی جلدوں میں طبع ہوئی ہیں ان رباعیوں سے بھی اس زمانہ کے مذاق شاعری اور مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے

شاہان اودھ مذہب امامیہ کے پابند تھے اور امراء و رؤسا بھی علی العموم شیعہ تھے غیر شیعہ حضرات بھی متعصب نہ تھے عزاداری بڑے جوش و انہماک سے ہوتی تھی شیعوں کے علاوہ اہلسنت و اہل ہنود بھی تعزیے رکھتے تھے اور مجلسیں کرتے تھے اور ان مجالس میں عموماً مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں مرثیہ خوانی کے دو طریقے تھے ایک طریقہ تحت اللفظ خوانی کہلاتا تھا جو غالباً اسی زمانہ کے قریب شروع ہوا تھا اور دوسرا طریقہ سوز خوانی کہلاتا تھا جو بہت پرانا طریقہ تھا تحت اللفظ خوان اپنا یا کسی دوسرے[۵] مرثیہ گو کا تصنیف کیا ہوا مرثیہ منبر پر

---

۵ یہ ضروری نہ تھا کہ مرثیہ خوان (تحت اللفظ خواں) مرثیہ گو بھی ہو بعض لوگ مرثیہ خوانی سیکھ کر کسی مرثیہ گو سے اس کا پرانا اور کئی بار کا پڑھا ہوا مرثیہ مانگ لیتے تھے اور مجلس میں جا کر بڑے زور شور سے پڑھتے تھے سامعین ان کے پڑھنے کی تعریف کرتے اور رونے کے محل پر روتے بھی تھے چنانچہ میر انیس کے مرثیہ خوان شاگردوں میں سید محمد میر صاحب بہترین پڑھنے والے تھے یہ مرثیہ گو نہ تھے لیکن انکا پڑھنا استاد سے بہت مشابہ تھا

بیٹھ کر ایک مخصوص انداز سے پڑھتا تھا اور آواز کی بلندی و پستی اور چشم و ابرو کے اشاروں سے اپنے ہر مصرع کے مطالب و معانی کی صورتگری کرتا تھا اور اپنی اس ایکٹنگ سے مجمع پر اثر ڈالتا تھا اور اپنے کمال خواندگی سے پوری مجلس کو اس طرح قابو میں کر لیتا تھا کہ جب چاہتا تھا مجلس میں یا واہ واہ سبحان اللہ ہونے لگتی تھی اور جب گریہ کا محل آتا تھا تو پورا مجمع بے اختیار رونے لگتا تھا اور سامعین کی آنکھوں میں واقعات کربلا کا نقشہ کھنچ جاتا تھا۔ ؎۱

مرثیہ خوانی کا دوسرا طریقہ جو سوز خوانی کہلاتا ہے اس کا تعلق لحن

؎۱ مؤلف کے بعض بزرگ جو مجلس میں موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میر نفیس مرحوم دلارام کی بارہ دری میں مجلس پڑھ رہے ہیں اور اہل مجلس خوب توجہ سے سن رہے ہیں کہ میر نفیس نے یہ مصرع پڑھا، "وہ گرد وہ اٹھی وہ جگر بند بو تراب آیا" اور ہاتھ سے ایک سمت اشارہ کیا پوری مجلس اسی طرف مڑ کر دیکھنے لگی۔ یہ تھی کلام اور خواندگی کی تاثیر کہ لوگ گویا مسحور ہو جاتے تھے۔

اور فن موسیقی سے ہے بعض ماہرین فن موسیقی گانے بجانے سے توبہ کر کے سوز خوانی کرنے لگتے تھے مرثیہ گو ان لوگوں کو چھوٹے چھوٹے مرثیے کہکر دیدیتے تھے اور یہ لوگ مجلسوں میں جا کر ان مرثیوں کو قواعد موسیقی میں ادا کرتے تھے اور اہل مجلس کو رلاتے تھے [1]۔

تحت اللفظ خوانوں اور سوز خوانوں نے یہ اصول بنا لیا تھا کہ ذاکری کی ابتدا رباعیوں سے کرتے تھے اسکے بعد ایک یا دو سلام پڑھتے تھے اور آخر میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا مرثیہ شروع کرنے سے قبل رباعیاں اور سلام صرف مجلس کو متوجہ کرنے کے لئے پڑھتے تھے اس اصول پر

---

[1] ہر سوز خوان کے ساتھ چار آدمی یا کم از کم دو آدمی اور ہوتے ہیں جو اسکے دونوں پہلوؤں پر بیٹھتے ہیں یہ اس کے بازو کہلاتے ہیں اور ایک طرح کے مددگار رہتے ہیں مجلس میں انکے لئے ایک چوکی بچھائی جاتی ہے جسپر یہ لوگ بیٹھکر پڑھتے ہیں سوز خوان صرف مجالس عزا پڑھتے ہیں محافل عیش و نشاط میں نغمہ سرائی نہیں کرتے ۔

یہ لوگ اب بھی ایک حد تک عامل ہیں مرثیہ خوانوں کے اس اصول اور
اس کی پابندی سے رباعی کے لٹریچر میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا
اور ہر مرثیہ گو کی متعدد رباعیاں بھی عالم وجود میں آگئیں مرثیہ گو عموماً
غزل کم کہتے ہیں اور اگر کہتے بھی ہیں تو ان کو مشہور نہیں کرتے انکے
کلیات مرثیہ سلام اور رباعیات پر مشتمل ہوتے ہیں [۵۱] -

انیس و معاصرین میر انیس

میر انیس ۱۲۱۹ھ میں فیض آباد
محلہ گلاب باڑی میں پیدا ہوئے وہیں مختلف علوم وفنون کی تعلیم
حاصل کی ابتدائی تعلیم ان کے پدر عالی مرتبت جناب خلیق نے

---

۵۱ سلام غزل کے طرز کی دس بارہ شعر کی نظم ہوتی ہے جس میں اخلاقی مضامین اور فضائل و مصائب آل رسول نظم کئے جاتے ہیں بیشتر یہ نظم لفظ سلام یا مجرا یا سلامی یا مجرائی سے شروع ہوتی تھی اب اس کی پابندی نہیں رہی سلام رباعی اور مرثیہ کے درمیان پڑھا جاتا ہے۔

دی اسکے بعد اور صاحبان کمال سے درسی کتابیں پڑھتے رہے

انیس نے علاوہ کتابی تعلیم کے مناظر فطرت سے بہت کچھ سبق لیا

تھا شعرائے اردو میں میر انیس کا لا یسا تو ابیں فطرت کا ماہر اور علم النفس

کا عالم مشکل سے کوئی دوسرا نکلے گا۔ ان کے پیش نظر اساتذہ اردو

و فارسی کا کلام تھا گھر میں علم ادب کا ہر وقت چرچا رہتا تھا ان

سب کے ساتھ ان کی خداداد ذہانت نے ملکران کو شاعری کے

فلک الافلاک پر پہونچا دیا تھا جہاں ابتک کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکا

میر انیس کے زمانہ میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی معراج کمال پر

پہونچ گئی تھی شاعری اور مرثیہ گوئی کے قدردان موجود تھے جس کی

طبیعت میں ذرا بھی موزونی ہوتی تھی وہ شاعر بنجاتا تھا اور جو شخص کچھ

پڑھا ہوا بھی ہوتا تھا وہ مرثیہ خوانی کرنے لگتا تھا۔ میر انیس کے
عہد میں بہت شعرا اور مرثیہ گو تھے لیکن ان میں صرف چند شعرا
کا کلام جس میں باقی رہنے کی صلاحیت تھی باقی رہا ورنہ بیشتر شعرا
کا کلام بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ فنا ہو گیا اور فنا ہوتا جا رہا ہے
انیس کے معاصرین میں مرزا دبیر مرثیہ گویوں میں خاص درجہ رکھتے تھے
اور غزل گویوں میں مرزا غالب آتش اور ناسخ بلند پایہ کے شعرا تھے
ان شعرائے غزل گو کی رباعیاں عموماً عاشقانہ اور ہنگامی ہیں اور
زیادہ تر بادشاہ وقت اور روسا کی مدح یا شکریہ یا شکایت یا معذرت
میں ہیں مرثیہ گویوں کی رباعیوں میں دنیوی معاملات کمتر ہیں اور عموماً
مذہبی حیثیت رکھتی ہیں ان میں فضائل و مصائب اہلبیت نظم ہیں

یا صُوفیانہ اور اخلاقی مضامیں مرزا دبیر صاحب مرحوم اور میر عشق صاحب مرحوم کی رُباعیاں بھی کثیر التعداد ہیں جو ان کے مرثیوں کے ساتھ، طبع ہُوئی ہیں۔ یا لوگوں کے پاس قلمی بیاضوں میں مَوجُود ہیں :۔

متحد المضمون رُباعیان ان حضرات کی بہت سی رُباعیاں مُتحد المضموں ہیں جن کو پڑھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مُصنفین نے ان کو مقابلتہً نظم کیا ہے اور بظاہر یہ اس طرح ہے کہ ایک مضمون کسی شاعر نے نظم کر کے پڑھا اس کے حریف کو اس کی اطلاع ہوئی اگر مضمون پسند آیا تو اس نے بھی طبع آزمائی کی اور اکثر اوقات بہتر نظم کیا۔ یہ مقابلہ میر انیس اور مرزا دبیر میں بیشتر ہوتا رہا میر عشق نے بھی مقابلہ کی رباعیاں کہیں مگر بہت کم۔ کچھ رُباعیاں ان حضرات کی ایک دوسرے

کی تعریض اور چوٹ میں بھی ہیں اس مجموعہ میں متحد المضمون اور جوابی رباعیاں خطِ خفی اسی رباعی کے نیچے تحریر کر دی گئی ہیں جس کا وہ جواب ہے، لیکن ہماری غرض اس سے کوئی موازنہ نہیں ہے اور نہ ہمارا ارادہ تنقید کرنے کا ہے یہ کام ہمنے ناظرین کے لئے چھوڑ دیا ہے :-

معاصرین کی رباعیوں کا انیس کی رباعیوں کے ساتھ اختلاط

کاتبوں اور اہل مطابع نے اردو لٹریچر پر ایسا دستِ ظلم دراز کیا ہو کہ مشکل سے اردو زبان کی کوئی کتاب غلطیوں اور تحریفوں سے پاک نظر آئے گی سب سے زیادہ مراثی کی جلدیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں مرزا صاحب کے مرثیوں کے بند میر صاحب کے مرثیوں میں شامل کر دئے ہیں اور میر صاحب کے مرثیوں کے مرزا صاحب کے مرثیوں میں اسی طرح متعدد رباعیاں ایسی ہیں

جو مرزا صاحب کی جلد میں بھی موجود ہیں اور میر صاحب کے یہاں بھی
بعض رباعیاں انیس کی جلد میں بھی چھپی ہوئی ہیں اور مونس کے یہاں بھی
موجود ہیں کچھ رباعیاں ایک طرح پر انیس کی جلد میں چھپی ہیں اور معمولی تغیر
سے دبیر یا مونس کی جلد میں بھی لکھی ہوئی ہیں ان رباعیوں کا امتیاز
بہت مشکل تھا بہرحال ہم نے امکانی کوشش سے دریغ نہیں کیا اور پرانی
بیاضوں اور نسخوں کا مطالعہ اور مقابلہ کر کے اور بزرگوں سے تحقیق کر کے
جو رباعیاں یقینی طور پر میر انیس کی معلوم ہوئیں وہ اس مجموعہ میں درج
کر دیں اور جو دوسرے شعرا کی طرف بھی منسوب نظر آئیں وہ اس
مجموعہ میں شامل نہیں کی گئیں یا ان کے متعلق فٹ نوٹ تحریر کر دیا
گیا۔ ان احتیاطوں کے باوجود ممکن ہے کہ دوسرے شعرا کی بعض رباعیاں

اس تحریر میں شامل ہو گئی ہوں۔

رباعیات میر انیس

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شعرائے اردو نے رباعی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی انھوں نے دوسری نظموں پر مستقلاً اپنی کل قوت صرف کی اور ضمناً کچھ رباعیاں بھی نظم کر لیں۔ یہی دستور مرثیہ گویوں کا بھی ہمیشہ رہا لیکن جب سے مرثیہ گویوں نے ہر مرثیہ کے ساتھ چند رباعیاں نظم کر کے پڑھنا اپنا شعار بنا لیا اس وقت سے ہر مرثیہ گو کی کثیر تعداد میں رباعیاں جمع ہو گئیں میر انیس مرحوم بھی ہمیشہ اسی دستور کے پابند رہے اور اپنے اسلاف اور متقدمین شعرا کی طرح انھوں نے بھی رباعیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ عموماً مرثیہ کی تصنیف سے فرصت پانے کے بعد

اور بعض اوقات مجلس میں جاتے وقت سلام اور رباعیاں نظم کرتے

تھے کبھی راہ میں نظم کر لیتے تھے اور مجلس میں جاکر پڑھ دیتے تھے بعض

رباعیاں مجلس میں پہونچ کر اور مجمع کو دیکھکر نظم کی ہیں:-

رُباعیوں کی تقسیم | آسانی کیلئے ہم نے میر انیس کی رباعیوں کو

تین حصوں میں تقسیم کردیا ہے (۱) مذہبیات (۲) اخلاقیات (۳) ذاتیات

حالانکہ ان کی کل رباعیاں مذہبیات ہی کے تحت میں آتی ہیں اول الذکر

میں حمد و نعت منقبت اور معتقدات و مراثی شامل ہیں-

حمد کی رُباعیوں میں کچھ صُوفیانہ مذاق کی ہیں اور کچھ جناب رب العزت

کے صفات سے متعلق ہیں مثلاً اس کی صفت رزاقی۔ستاری غفاری

جود و کرم رحم و عدل وغیرہ نعت میں جناب رسول مقبول کے فضائل

میں چند رباعیاں ہیں اور منقبت میں چند حضرت امیرالمومنینؑ کے متعلق

چند رباعیوں میں جناب رسولِ خدا اور جناب امیر علیہما السلام کے فضائل

مشترک طور پر نظم ہوئے ہیں۔ کچھ رباعیاں امام حسین علیہ السلام اور شہدائے

کربلا کے فضائل میں ہیں اور ایک ائمۂ اثنا عشر کی مدح میں ہے۔

معتقدات | ایک بڑی تعداد رباعیوں کی معتقدات میں ہے

جن میں زیارت کربلا و نجف کے فضائل زمین کربلا و نجف میں دفن

ہونے کے فضائل زائرین کے فضائل خاک کربلا و نجف کی فضائل

عزاخانہ کے فضائل ذاکرین اور سامعین اور خرچ کرنے مجالس پہ کرنے

فضائل کا تذکرہ ہے۔

میر انیس کے مذہبی عقائد بالکل وہی تھے جو ایک شیعہ مسلمان

کے ہونا چاہئیں وہ خدا کو وحدہٗ لاشریک رحیم و کریم قادر مطلق۔ رزاق"
عادل اور تمام صفات ثبوتیہ سے متصف اور سلبیہ سے بری جانتے
تھے جناب محمد مصطفٰے کو اس کا نبی آخر سمجھتے تھے اور آنحضرت کے
جتنے فضائل کتب تاریخ و حدیث میں منقول ہیں ان پر اعتقاد رکھتے تھے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السّلام اور گیارہ
اماموں کو رسولؐ کا جانشین سمجھتے تھے رسولؐ اللہ اور ان کے اہلبیت کو
تمام انبیائے سلف سے افضل جانتے تھے اور ان کی عصمت پر ایمان
رکھتے تھے۔ امام حسین علیہ السّلام پر گریہ کرنا واجب جانتے تھے اور
مجلس عزا کی بنا اور عزاداری اہل اسلام کا فرض سمجھتے تھے۔ ان کے
مرثیے سلام اور رباعیاں ان کے اعتقادات پر شاہد ہیں۔ اُن کا

عقیدہ تھا کہ زندگی میں جتنا زیادہ زیارت کربلا و نجف سے مشرف ہو

آخرت میں اس کا اجر زیادہ ہوتا جائے گا - اور اگر نجف اشرف یا

کربلائے معلیٰ میں قبر نصیب ہو تو رے نصیب - انیس کی تمام عمر یہی

آرزو رہی جس کا انھوں نے اپنی رباعیوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے

مذکورہ بالا مضامین ایک مخصوص فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن

میرانیس کی مضمون آفریں طبیعت نے ان میں بہت کچھ ندرت اور تازگی

پیدا کر دی ہے انھوں نے ایک ہی موضوع میں مختلف مضامین

پیدا کیے اور ایک ہی موضوع کی ہر رباعی میں ایک جدید اور اچھوتا خیال

نظم کر کے ہر رباعی کو مستقلاً ایک تازہ تخیل کا حامل بنا دیا اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اردو لٹریچر کے قدر دانوں کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت

اُن کی ہر رباعی مقبول و مطبوع ہو گئی مثلاً شوق زیارت کربلا و نجف فضیلت خاک کربلا و نجف فضائل گریہ مدح عزادار۔ مدح چشم عزادار۔ مدح اشک عزادار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین میر انیس کی قوت تخیل اور مضمون آفرینی سے ہر ایک کے لئے دلچسپ اور ہر ایک کے لئے مطبوع و مقبول ہو گئے

مصائب اہلبیت رسول کے مصائب میں بھی میر انیس نے اتنی رباعیاں کہی ہیں کہ اگر سب رباعیاں بالترتیب ایک جگہ جمع کی جائیں تو مصائب اہلبیت کا ایک مکمل مقتل تیار ہو جائے[1]۔ ان میں شہادت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق چند رباعیاں ہیں اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی کربلا میں داخلہ اہلبیت پر کھانے پانی کی

---

[1] موجودہ مجموعۂ رباعیات اسی طرح ترتیب دیا گیا ہے :-

بندش امام حسین علیہ السّلام کی حضرت زینبؑ سے رخصت، شہادت حضرت عباسؑ و حضرت علی اکبرؑ و علی اصغرؑ و قاسمؑ ابن حسنؑ، شہادت حرؑ ابن یزید ریاحی اور شہادت پسران مسلمؑ آخر میں حضرت عابد علیہ السّلام کا مصائب امام حسین علیہ السّلام پر تادم حیات گریہ کرنا اور اسی طرح کے دیگر مصائب آل رسولؐ سے متعلق بہت سی رباعیاں ہیں :-

مواعظ و اخلاق تذکروں کو پڑھ کر اور بزرگوں سے سن کر ہمیں اس بات کا پورا علم ہو جاتا ہے کہ جن محاسن کی میر انیس نے تعلیم دی ہے وہ سب خود ان کی سیرت میں موجود تھے اور وہ ان پر عامل بھی تھے علاوہ مذہبی اور اعتقادی پابندیوں کے ان کی سیرت میں عجز و انکسار تواضع و خاکساری فقر و استغنا قناعت و توکل غیرت و حیا عزت نفس

اور صاحبان دولت سے بے پروائی نمایاں طور پر موجود تھی۔ ان کی رباعیاں بتاتی ہیں کہ وہ بجز خدا اور رسول اور اہلبیت کے رؤسائے دنیا کی مدح سرائی اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے تھے اہلبیت کی مدح پر ان کو اتنا ناز ہے کہ اس کی بدولت وہ اپنے کو بڑے بڑے بادشاہوں سے افضل جانتے ہیں وہ اگر کسی مقام پر اپنی آپ تعریف کرتے ہیں تو محض اس خیال کے ماتحت کہ مداحی اہلبیت کی بدولت ان کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے جیسا کہ رباعی مذکورۂ ذیل میں فرماتے ہیں۔

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے باعث مدح امام نامی کا ہے،
میں کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے،

ان کو عزت نفس کا اتنا خیال ہے کہ بڑے سے بڑے رئیس دربادشاہ

تک کا بارِ احسان اٹھانا اپنی ذلت کا باعث جانتے ہیں اِن کے
اصول کے ماتحت فقر میں استغنا اور خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت
انسان کے لئے کافی ہے۔ اسلئے وہ حرص و طمع اور ہوس دنیا کو
بُرا کہتے ہیں اور اہلِ دنیا کی خوشامد کو حقیر اور ذلیل بات سمجھتے ہیں اور
خلافِ مردانگی تصور کرتے ہیں چنانچہ ذیل کی رباعی میں وہ اپنے اس
خیال کو ادا کرتے ہیں :-

قانع ہو جو کچھ ہمت مردانہ ہے　　کیوں صحبتِ اہلِ زر کا پروانہ ہے
حقا کہ شمارِ نعمتِ حق کے لئے　　جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

ان کی نظر میں دنیا ایک گذرگاہ تھی اور یہاں کا جاہ و جلال اور متاع
و مال سب فانی اور ناپائدار اسلئے وہ دولتِ دنیا کی طرف نظر نہ کرتے

تھے اور نہ اہلِ دنیا کو نگاہ وقعت سے دیکھتے تھے ان کی نظر ہمیشہ عقبیٰ
کی طرف رہتی تھی اور اسی کو بہتر بنانا اپنا کارنامہ حیات اور مآلِ
زندگی جانتے تھے۔

وہ بہت سی برائیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے ہیں مثالیں
دیکر ان کے نقصانات سے مطلع کرتے ہیں اور ان کے ترک کر دینے
کی تعلیم دیتے ہیں مثلاً تند خو کی مذمت میں ذیل کے شعر قابلِ لحاظ ہیں۔

پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا　　دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

کبر و غرور کی مذمت اس طرح کرتے ہیں اور اس فعلِ بد سے باز رہنے کی اس طرح ہدایت کرتے ہیں

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے　　آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں امیں　　اک روز صراط سے گذرنا ہے تجھے

ایک دوسری رُباعی میں غرور کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید ٭ بڑھتی گئی دن رات سیاہی دل کی

ذاتیہ | اس باب میں ایسی رُباعیاں ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح لمیرؔ کی ذات سے تعلق ہے کچھ رباعیاں اس میں کی مواعظ و اخلاق میں بھی، شامل کردی گئی ہیں۔ ذاتیہ رُباعیوں میں کچھ رُباعیاں تو ایسے مضامین کی ہیں جو عام شعرا کا معمول رہا ہیں مثلاً فخر و خود ستائی، حساد کی شکایت زمانہ کی شکایت" اپنے مصائب و آلام" کساد بازاری اور اپنی بدنصیبی خودستائی دراصل مذموم ہے لیکن شعرا کے لئے جائز سمجھی جاتی ہے اور شعرا کی زبان میں اس کو فخریہ کہتے ہیں تمام شعرائے عربی و فارسی و اُردو فخریہ اشعار کہے گئے ہیں اور ان پر کسی نے بداخلاقی کا الزام نہیں لگایا جس طرح عرب میں ایک سپاہی

اپنے مدمقابل کے سامنے جاکر رجز پڑھتا تھا اور بہ فخر اپنی بہادری،
اپنے گھوڑے، اپنی تلوار، اور اپنے ہاتھ کی قوت کی تعریف کرتا تھا،
بالکل اسی طرح ایک شاعر بھی اپنی قادر الکلامی، اپنی زبان، اپنے
محاورات، اپنی تخئیل، اپنی مضمون آفرینی کی ستایش کرتا ہے۔ اور
جس طرح ایک سپاہی اپنے حریف مقابل کو ہیچ وپوچ کمزور پست ہمت
اور ہر طرح کی کمزوریوں کا مجموعہ سمجھتا تھا بالکل اسی طرح ایک شاعر بھی اپنے
حریف کو ہر جہت سے اپنے سے کمتر پست تر اور ذلیل سمجھتا ہے بلکہ
اس کا مقابل ہونا اہل دنیا کی بدمذاقی اور زمانہ کی کساد بازاری اور اپنے
اوپر ظلم خیال کرتا ہے لیکن میلرنیس نے اس خودستائی اور فخر کو برا سمجھتے
ہوئے بعض رباعیوں میں اس کا دفع دخل کر دیا ہے اور فرمادیا ہے کہ

مجھ کو نہ پڑھنا آتا ہے اور نہ نظم کرنا بلکہ یہ شہرت جو حاصل ہو گئی ہے
محض امام کی مدح سرائی اور غلامی کی بدولت ہے، جیسا کہ ہم نے اس سے
قبل ذکر کیا۔

شاہ اودھ کی طلب پر میر انیس کا انکار

میر انیس اپنے اصول کے پابند اور بات کے
پکے تھے ان کے اصول کا ٹوٹنا اور ان کے
منھ سے ایک بات نکل کر اس کا مسترد ہونا ناممکن تھا ایک مرتبہ واجد علی شاہ
بہادر بادشاہ اودھ نے اپنی کسی بیگم کی فرمائش سے بغیر میر انیس کو مطلع
کئے مجلس کے رقعے چھپوا کر تقسیم کر دیئے اور مجلس میں انیس کی خواندگی
کا اعلان بھی کرا دیا۔ انیس کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ بغیر ان کی اطلاع
کے کیوں ان کی ذاکری کا اعلان کیا گیا عین مجلس شروع ہونے کے وقت

چوبدار مجلس میں بلانے آیا انیس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کو بھیجا اس پر بھی نہیں گئے آخر مجلس میں مرزا صاحب بلا کر پڑھوائے گئے۔

حیدرآباد میں دستار کا واقعہ ایسا ہی حیدرآباد دکن میں اتفاق ہوا میر انیس کو نواب تہور جنگ مرحوم نے طلب کیا اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اکثر امرا اور رؤسا انیس کے فرودگاہ پر ملنے آئے بعض نے اپنے مکان پر دعوت کی مختار الملک وزیر نظام نے بھی دعوت کی لیکن یہ شرط کر دی کہ درباری لباس میں تشریف لائیں خود مختار ریاستوں میں یہ قاعدہ ہے کہ بادشاہ اور امرا اور رؤسا کے دربار میں بغیر وہاں کی مخصوص دستار اور آداب لگائے باریابی نہیں ہو سکتی بغیر ان چیزوں کے جانا دربار اور رئیس کی توہین سمجھا جاتا ہے لیکن

میرانیس کی عزتِ نفس کب گوارا کرتی تھی کہ وہ ان قیود کے ساتھ دربار میں جائیں
پھر جب کہ ان کو مختار الملک سے ملنے کی کوئی آرزو بھی نہ تھی انھوں نے فوراً جواب
دیدیا کہ "اگر مختار الملک انیس سے ملنا چاہتے ہیں تو انیس ان سے یہی اپنے
معمولی لباس میں مل سکتا ہے کیونکہ انیس واجد علی شاہ کے سامنے بھی
درباری لباس میں نہیں گیا" غرض انہوں نے معمولی لباس کرتا اور چوگوشیہ
ٹوپی پہن کر ملاقات کی۔

لیکن اس خودداری اور عزتِ نفس کے باوجود وہ بادشاہ وقت سے
وفاداری اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اور مسلمان بادشاہوں اور رئیسوں کا وجود
لوگوں کے لئے ضروری جانتے ہیں چنانچہ انتزاع سلطنت اودھ پر
وہ غمگین و ملول نظر آتے ہیں اور ان کا ملال و غم فریاد و دعا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے　　جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خدا وند کریم　　اجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

وہ اہل حیدرآباد کی استدعا پر بہ غرض ذاکری حیدرآباد جاتے ہیں
رؤسا و شرفا ان کی مہمانداری اس حد پر کرتے ہیں جیسی کسی بڑے
رئیس کی ہو سکتی ہے اس پر میرانیس ایک باعی بطور شکریہ اور ایک
دعائیہ وہیں نظم کرکے پڑھ دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مہمان نوازی
کے عوض میں اگر شکریہ بھی نہ ادا کیا اور اہل حیدرآباد کے لئے دعا نہ کی
تو احسان فراموشی ہوگی محض اسی بنا پر فرماتے ہیں :۔

اللہ و رسول حق کی امداد رہے　　سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے　　یا رب آباد حیدرآباد رہے

۱۸۵۷ء کے محاصرۂ لکھنؤ میں میر انیس نے اپنا وطن ترک نہیں
میر انیس اس زمانہ میں محلہ سوٹھٹی میں ایک عالیشان مکان میں رہتے۔
جسکے متعلق ایک امباڑہ بھی تھا جب محاصرہ کی خبریں سنیں اور لکھنؤ
بربادی کا حال معلوم ہوا تو متاثر ہوئے لیکن مکان چھوڑنے پر کسی ط
رضی نہ ہوتے تھے بالآخر احباب اور اعزا کے بہیم اصرار سے رضامند
گھر میں چار گڑھے کھدوائے اور تمام قیمتی سامان ان میں دفن کر دیا ایک
رئیس نے زنانی سواریوں کے لیئے پالکی بھیجدی تھی اس میں عورتوں
کو سوار کیا اور کاکوری کی راہ میں کسی باغ میں خیمے نصب کرا کے مع متعلقین
فروکش ہوئے لکھنؤ کے اور رؤسا بھی انھیں باغوں میں مقیم تھے۔
لکھنؤ کا فساد جب ختم ہوگیا اور شہر میں امن وامان بدستور قائم

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے مکانوں میں چلے آئیں

میر انیس بھی اپنے مکان واپس چلے آئے لیکن جو اسباب وہاں دفن

کر آئے تھے اس میں سے کچھ نہیں ملا۔ کچھ عرصہ اس میں قیام فرمایا تھا کہ

پھر گورنمنٹ کا حکم ملا کہ مکانات خالی کئے جائیں یہاں ریلوے اسٹیشن

تعمیر ہوگا۔ غرض میر انیس نے جبراً و قہراً مکان خالی کیا اور چوپداری محلہ

میں جو سبزی منڈی کے متصل اور چوک کی پشت پر واقع ہے ایک

مکان خریدا اور اسی میں تا دم مرگ سکونت پذیر رہے:۔

وفات | وہ جانتے تھے کہ موت کا آنا ضروری ہے اور کسی کو وقت معلوم

نہیں لہذا خود بھی مرنے پر آمادہ رہتے تھے اور دوسروں کو بھی تیار

رہنے کی ہدایت کرتے تھے ان کو عرصہ تک اپنے نہ مرنے اور اپنے

اہل قافلہ سے جدا رہنے پر تاسف ہے اور وہ اپنے اس افسوس کو کس عمدہ پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں :-

پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیس
اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

میر انیس پہلے ہی سے اپنے دفن کا انتظام بھی کر گئے تھے مرنے سے دو سال قبل پل گاما ان کے متصل احاطہ میر محمد خاں میں جو مکان مسکونہ سے بالکل قریب ہے ۲۱- جولائی ۷۲ء کو میر فیض الدین حسین ولد میر حیدر حسین خادی سے مبلغ سو روپیہ کی زمین خریدی اور ۱۵- فروری ۷۳ء کو دفن ہونے کے لئے حسب تجویز آغائی صاحب مرحوم لکھنؤ میونسپل بورڈ سے اجازت نامہ حاصل کیا آخر رمضان ۱۲۹۱ھ میں درد سر اور تپ میں مبتلا ہو گئے لکھنؤ کے نامور اطبا علاج میں مشغول رہے لیکن مرض بڑھتا گیا

جوں جوں دوا کی یہانتک کہ اسہال کبدی کی بھی شکایت ہو گئی اور

اور میر صاحب صحت سے مایوس ہو گئے چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

ہر لحظہ گھٹتی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری

اٹھا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انیس
اب کٹ چکے قوت سے ہے صحت میری

جب مرض کی اور زیادتی ہوئی اور ضعف اور بڑھا تو آواز بھی نکلنا

دشوار ہو گئی اس حالت کے متعلق فرماتے ہیں :-

ہے سخت ملول طبع ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرداز مری

اللہ رے زور ناتوانی کا انیس
آوازۂ مرگ دل سے ہے آواز مری

پھر جب اطبائے نسخہ نویس کے چہروں سے مایوسی ظاہر ہونے لگی

تو میر انیس نے ان کی بیچارگی کو پہچانا اور طبیب روحانی اور شافی مطلق

پھر تھوڑا سا کر کے فرمایا:-

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے

درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو امداد امام قل کفیٰ کافی ہے

ہر ذی روح کے لئے فراق جسم و جان کی منزل بہت سخت اور کٹھن ہوتی ہے ایک عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے دنیا اور مافیہا سے جدائی اور ایک نامعلوم منزل کی طرف سفر۔ علائق دنیا اپنی طرف روکتے ہیں اور مریض چاہتا ہے کہ کسی طرح مرض کی تکلیفیں دور ہو جائیں تو ہم کچھ دن اور دنیا کی ہوا کھا لیں اور جو جو فرائض ہمارے ذمہ ہیں ان کو پورا کر لیں لیکن وہاں تو جام زندگی لبریز ہو چکتا ہے۔ دور حیات ختم ہو جاتا ہے۔ غرض عجب امید و بیم کی کیفیت ہوتی ہے۔ جس کو

مرنیوالے ہی جانتے ہیں شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اس موقع پر فرشتہ مرگ کے آنے سے پہلے مریض محتضر کے بالین پر مشکل کشائے عالم امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب تشریف لاتے ہیں اور کچھ ایسے تسلی آمیز فقرات آپ اس محتضر کے گوش زد فرماتے ہیں کہ اس کو سکون قلب نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی روحانی اور جسمانی تکلیفوں میں کمی محسوس کرنے لگتا ہے اس وقت کی مناسبت سے میرانیس فرماتے ہیں۔

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے آقا آ کے ہمارے مولا آئے
عجلت کا محل ہے پیشوائی کیلئے اے جان نکل علیؑ اعلا آئے

غرض ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء روز دوشنبہ قریب مغرب انیس کی روح نے قفس جسم سے بہشت کی طرف

پرواز کی تھوڑی دیر میں یہ خبر تمام شہر میں گشت کر گئی اور امرا و رؤسا،
علما و شرفا گھر پر آ گئے میت غسل کے لئے دریا پر لے گئے بعد اسکے
مولانا سید بندہ حسین صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی
خرید کردہ زمین میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ

رُباعیاتؒ

رُباعیّات

حمدِ باری تعالیٰ

خدا کی معرفت

گُلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بُلبُل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

پروانہ کو دھن شمع کو لو تیری ہے
عالم میں ہر اک کو تگ و دو تیری ہے
مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب
جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

(اسمٰعیل شانی)

(۲)

گلشن میں پھروں کہ سیرِ صحرا دیکھوں — یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۳)

مرکز سے تک ادھر اُدھر دیکھوں میں — حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو فلک ہو کہ زمیں — تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

(۴)

حیران ہے عقل و دل شدائد سب میں — دیکھو کہ ہے شان اس کی ہویدا سب میں
کیا قدرتِ معبود ہے اللہ اللہ — پنہاں سب میں ہے اور ہویدا سب میں

معرفت کی راہیں

(۵)

سرگرم رہے نہ سیر راہیں ہیں یہی، — سو پائے کی حسرت کی نگاہیں ہیں یہی
یہ جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ (۳۶۰) رگیں — گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

رحمت خدا

(۶)

ممکن نہیں عمل سے عبادت تیری — بذل و کرم و عطا ہے عادت تیری

صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے — دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

(۷)

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری — مجرم ہیں یہ بھی ہم پہ ہو عنایت تیری

دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی — عصیاں میرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

(۸)

کونین کی دولت ہے عنایت تیری — ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری

مستوجب دوزخ ہوں اگر عدل کرے — یا رب مجھے بخش دے تو رحمت تیری

(۹)

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری — افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری

جنت انعام کر دوزخ میں جلا — دونوں حکم ترا ہے یہ عدالت تیری

(١٠)

اے خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر — اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری — اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

(١١)

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں — نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں
جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو — بس اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

(١٢)

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں — تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں میں
بخشے مرے جرم تو نے لاکھوں یارب — رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

(١٣)

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے — جنت کبھی مجھ کو کبھی کوثر کھینچے
دھو ڈالیں سب لکھے کو کاتبانِ اعمال — گر تو قلمِ عفو خطا پر کھینچے

(١٤)

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا — پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہر چند تو جہنم کی بہت کی تدبیر — لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

(١٥)

فرقت تن و جاں میں بھی غضب کی ہے — مومن پہ مگر رحمت رب ہوتی ہے
آگاہ گناہوں سے نہ وا ایک کے ایک — فردا فردا جبھی طلب ہوتی ہے

خدا مختار ہے

(١٦)

اپنوں کا گنہ نہ غیر ذا الک کا ہے — کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے
تعزیر دے یا عفو کر اے رب کریم — مملوک پر اختیار مالک کا ہے

(١٧)

صالح بھی ترا ہے زشت بھی تیرا ہے — کعبہ بھی ترا کنشت بھی تیرا ہے
حاضر ہیں گنہگار جدھر بھیج دے تو — دوزخ بھی ترا بہشت بھی تیرا ہے

خدا کی عطا و بخشش

(۱۸)

توفیق ترے ہی آستانے سے ملی — عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی
مال و زر و آبرو و دین و ایمان — کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

(۱۹)

قانع ہو جو کچھ ہمت مردانہ ہے — کیوں صحبت اہل زر کا پروانہ ہے
حقا کہ شمار نعمت حق کے لئے — جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

(۲۰)

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے — بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے
انسان کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل — جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے

دبیر

قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے — قدسو کو گل کو رنگ و بو دیتا ہے
بیکار تصنع ہے تشخص ہے بے سود — عزت وہی عزت ہے جو تو دیتا ہے

سمیع مثالی

(۲۱)

آدم کو عجب خدا نے رتبا بخشا
ادنیٰ کے لئے مقام اعلا بخشا

عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان
اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(۲۲)

سب سے اول ہے سب سے سابق ہے ہی
حمد و صفت و ثنا کے لائق ہے ہی

درویش نہ مجرم و منعم بے فیض
پشہ کا بھی عنقا کا بھی رازق ہے ہی

خدا کا کرم

(۲۳)

دولت کی ہوس ہے نہ طمع مال کی ہے
خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے

ہے ذات تری جواد و غفار و غنی
امید تجھی سے تیرے افضال کی ہے

(۲۴)

سب کو خیال دمبدم تیرا ہے
یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے

کرتا ہے جو مجھ سے زرد رو کو سرسبز
اے ابر کرم یہ سب کرم تیرا ہے

(۲۵)

کھینچے مجھے موت زندگانی کی طرف — غم خود لے جائے شادمانی کی طرف
تیرا جو کرم ہو تو مثالِ مہ نو — پیری سے پہونچ جاؤں جوانی کی طرف

خدا غفار ہے

(۲۶)

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں — جز تیرے کرم کچھ اور درکار نہیں
مجھ سا نہیں عالم میں گنہگار اگر — تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں

دبیر

خامہ بھی مری طرح سیہ کار نہیں — یہ مشقِ گنہ کسی کو زنہار نہیں
گر خوفِ برابری نہو صاف کہوں — مجھ سا عاصی خدا سا غفار نہیں
سیح خانی

خدا قریب بھی ہے دور بھی

(۲۷)

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو — آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
قربت رگِ جاں سے اُس پر اپنے یہ بُعد — اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

طلبِ خدا

(۲۸)

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یا رب
اب زیست کے دن بتاتا ہوں یا رب

طالبِ زر و مال سب کے ہیں سب دنیا میں
میں تجھ سے تجھ کو چاہتا ہوں یا رب

(۲۹)

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
یہ عجز یہ انکسار بھایا ہے تجھے

جبتک میں تھا تو بُعد تھا برسوں کا
جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

عشقِ بالغیب

(۳۰)

سایہ سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں

دیکھا نہیں جسکو اُس کا عاشق ہوں میں
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

صنعتِ خدا

(۳۱)

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے

سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

قدرت خدا

(۳۲)

نہ لعل میں ہو نہ گہر و سنگ میں تو　　پر صاف چمکتا ہو ہر اک رنگ میں تو
باہر عالم سے ہے بزرگی تیری　　کس طرح سمایا ہو دلِ تنگ میں تو

ذاتِ خدا ثنا و صفت سے بالاتر ہے

(۳۳)

خلاق جہاں ہو رب اکبر تو ہے　　ستار ہے رزاق ہے داور تو ہے
حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری　　جو حمد و ثنا ہے اس سے برتر تو ہے

نعت و منقبت

معراج

(۳۴)

دنیا میں محمد سا شہنشاہ نہیں　　کس راز سے خالق کے وہ آگاہ نہیں
باریک ہے ذکرِ شبِ معراج ابھی　　خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

دبیر

معراج نبی میں جائے تشکیک نہیں ہے نور کا تڑکا شبِ تاریک نہیں
قوسین کے قرب سے یہ ثابت ہے دبیر اتنا کوئی اللہ کے نزدیک نہیں

عدم سایۂ رسول

(۳۵)

آدم کو یہ تحفہ یہ ہدیہ نہ ملا ایسا تو کسی بشر کو پایہ نہ ملا
اللہ ری لطافتِ تنِ پاکِ رسول ڈھونڈا کیا آفتاب سایہ نہ ملا

رسول کا دیدار خدا کا دیدار ہے

(۳۶)

یا ختمِ رسل مستِ مئے الفت ہیں قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضور کو خدا کو دیکھا اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

(۳۷)

کھو دل کے مرض کو اے طبیبِ امت سکھلا آداب اے ادیبِ امت
اللہ کے نور کو بعینہ دیکھیں گر ہو ترا دیدار نصیبِ امت

اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ

(۳۸)

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہے ایک
گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک
ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد
ہیں اسم تو دو مگر مسمّیٰ ہے ایک

اعجاز محمدؐ و علی علیہما السّلام

(۳۹)

شایاں تھے انھیں کی شان برتر کیلئے
اعجاز یہ دو دو نو برادر کے لئے
شق القمر و رجعت خورشید مبین
احمدؐ کے لئے وہ اور یہ حیدرؑ کے لئے

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

(۴۰)

کیا بھائیوں کے حسن کا اندازہ ہے
ہر فرقت گل عشق تر و تازہ ہے
یہ باب ہیں حیدرؑ کے نبیؐ کہتے ہیں
میں شہر ہوں باز و مراد دروازہ ہے

محبت محمد و علیؑ

(۴۱)

ہے کون دو مکاں میں اختیار حیدر
گردوں ہے بساط پیش رفتار حیدر

اک جان ہے اک دل ہے بعبا اپنی
احمد کے وہ قرآن ہیں نثار حیدر

فضیلت نبیؐ و علیؑ

(۴۲)

ہے چادر نور حق ردائے حیدر
خورشید ہے نقش کف پائے حیدر

کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک
یہ جائے محمد ہے وہ جائے حیدر

کعبہ میں علیؑ کی ولادت

(۴۳)

دیندار نے اس کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف ایسے گہر سے پایا

ہاتھوں پہ علیؑ کو لیکے احمد نے کہا
یہ رحمت حق کے گھر سے پایا

ولادتِ علیؑ سے کعبہ کا شرف

(۴۴)

حیدر سا امام حق کی رحمت سے ملا
کیا کیا نہ شرف انکی اطاعت سے ملا

عالم میں ہوا قبلۂ اوّل بھی وہی
کعبہ کو شرف جس کی ولادت سے ملا

خلافتِ علیؑ پر استدلال

(۴۵)

وہ شاہ کہ شاہوں نے لیا باج نبیؐ
اور عرش تک تھا شریک معراج نبیؐ

فرماتے ہیں میں تن ہوں علیؑ ہے سر را
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاج نبیؐ

عیدِ خلافتِ علیؑ

(۴۶)

ہر غنچہ سے شاخ گل ہے کیوں مُنہ بکف
ہے روز خلافت شہنشاہ نجف

حیدر ہوئے جانشین خاصن نبیؐ
ہے آج طلوع نیر برج شرف

(۴۷)

اب تک سُرور و فرحت اندوزی ہے ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سرورِ شاہی شاہِ نجف یہ رنگِ بہارِ فتح و فیروزی ہے

علی بت شکن ہیں

(۴۸)

کعبے کو جب یداللہ نے آباد کیا بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلالِ اسمِ اعلائے علیؑ اصنام کو اس نام نے برباد کیا

علی کی بلندی

(۴۹)

کعبہ میں ہوا جو بند و بستِ حیدرؑ شاداں تھا دلِ خدا پرستِ حیدرؑ
تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم عرشِ علی تھا زیرِ دستِ حیدرؑ

(۵۰)

محبوبِ خدا کا جانشین حیدرؑ ہے قندیلِ سرِ عرشِ بریں حیدرؑ ہے
رکھے کعبہ میں پا سرِ دوشِ نبیؐ تو مہرِ نبوت کا نگین حیدرؑ ہے

(۵۱)

رتبہ سے علیؑ کے عرش بھی پست ملا　　سب اُنکو خدا کا گھر در و بست ملا

کعبہ میں نبیؐ کے دوش اوپر انکے قدم　　یہ اوج کسی کو کب سر دست ملا

علیؑ کی معراج

(۵۲)

افضل نہ کسی کو مرتضیٰؑ سے پایا　　برتر دنیا کے انبیاؑ سے پایا

معراج میں مصطفیٰ کے ہمراہ رہے　　یہ اوج عنایتِ خدا سے پایا

(۵۳)

اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا　　معراج میں حضرت نے کسی کو دیکھا

کہنے لگے مسکرا کے محبوب خدا　　واللہ جہاں دیکھا علیؑ کو دیکھا

دبیر

احمدؐ نے کہا علیؑ سے ہر جا تم تھے　　معراج میں تا عرش معلا تم تھے

عرش ایک طرف پردہ اسرار سے بھی　　یوں آتی تھی آواز کہ گویا تم تھے

المیزان

علیؑ مشکل کشا ہیں

(۵۴)

احمد کا برادر گرامی تو ہے — یا شیر خدا خلق میں نامی تو ہے

اے قائد خیبر پیشوائے امت — کچھ غم نہیں گر جہاں میں حامی تو ہے

(۵۵)

مطلب بھی علیؑ ہی مدعا بھی ہے علیؑ — ہادی بھی علیؑ ہے رہنما بھی ہے علیؑ

شیعوں کو ہو کیا باد مخالف کا خطر — کشتی بھی علیؑ ہے نا خدا بھی ہے علیؑ

علیؑ ضامن حیات ہیں

(۵۶)

گر شیر خدا زیست کا بانی ہو جائے — اعجاز مسیحا کا کہانی ہو جائے

چاہیں جو علیؑ فنائے تبدیل بقا — مرگ مبرم بھی زندگانی ہو جائے

علیؑ بانی صحت ہیں

(۵۷)

گر حیدر دین کی مہربانی ہو جائے — ذرہ ابھی خورشید کا ثانی ہو جائے

لعل لب حیدر سے جو ہو حکم شفا — پتھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جائے

علیؑ جانِ جہاں ہیں

(۵۸)

مختارِ زمین و آسماں حیدرؑ ہے　　گویا کہ محمدؐ کی زبان حیدرؑ ہے
جب نام لیا تقویتِ روح ہوئی　　بیجاں ہو مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

علیؑ عقدہ کشا ہیں

(۵۹)

میزانِ کرم میں جرم تل جاتے ہیں　　فردوس میں مثلِ بوئے گل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح　　عقدے جو ہزاروں ہوں تو کھل جاتے ہیں

(۶۰)

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ　　ہے ابرِ کرم دستِ سخائے حیدرؑ
یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ　　سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

(۶۱)

دیدارِ دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ　　ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں نہ ہو سختیِ مرگ　　پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

(۶۲)

اجب البتلک تو پہونچا ینگے کوئی نہ رہے گا سب چلے جائینگے
تنہائی میں حسن و قبے کی مشکل عقدہ کشائی کو امام آئینگے

(۶۳)

ساقی شراب حوض کوثر حیدر حامی حیدر شفیع محشر حیدر
پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

(۶۴)

گر دوستی علیؑ میں مرجائیں گے بگڑے ہوئے سب کام سنور جائینگے
جس وقت کہیں گے منھ سے یا شیر خدا جوں برق صراط سے گزر جائینگے

(۶۵)

اﷲ کو شیر حق لحد میں پہونچے کچھ غم نہیں اب کہ اپنی حد میں پہونچے
تربت جو ہوئی بند کھلا خلد کا در خنداں خنداں جوار حد میں پہونچے

علیؑ کی توجہ سبب کامیابی ہے

(٦٦)

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے — بے قدر فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظر مہر سے دیکھیں حیدرؑ — ذرہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

علیؑ کی معرفت خدا کی معرفت ہے

(٦٧)

خلاق انام کبریا کو جانا — عالم کا رسول مصطفےٰ کو جانا
ایماں کا ہمارے اس پہ ہے دارومدار — جانا جو علیؑ کو تو خدا کو جانا

(٦٨)

بیجا ہر کوشش و طلب کو پایا — اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابن ابی طالب سے — جب شاہ عرب ملے تو رب کو پایا

خلقتِ علیؑ پر خالق کا فخر

(۶۹)

کیا اُسکی صفت میں پھر کوئی بات کرے | خود جسکی ثنا رسولؐ دن رات کرے
پیدا کیا مرتضےٰ علیؑ سا بندہ | کیونکر نہ یہ قدرت مباہات کرے

محبتِ علیؑ

(۷۰)

عرفان تصدیقِ حجتِ حیدرؑ ہے | ایمان اور محبتِ حیدرؑ ہے
دوزخ ہے عداوتِ علیؑ کا بدلہ | فردوس بہائے الفتِ حیدرؑ ہے

(۷۱)

افضل کوئی مرتضیٰؑ سے ہمت میں نہیں | اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
طوبیٰ تسنیم و خلد و سیب و رُمان | وہ کیا ہے جو حیدرؑ کی ولایت میں نہیں

(۷۲)

قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدرؑ ہے وارد ہل اتے عطائے حیدرؑ

دو چیزیں عقبیٰ کے لیے دنیا میں اک یاد خدا ایک ولائے حیدرؑ

ساقی نامہ

(۷۳)

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے

ہر مست ہیں حب ساقی کوثرؑ سے آنکھیں شیشے ہیں تو دل پیمانہ ہے

علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا شک

(۷۴)

یہ جود و سخا حاتم طائی میں نہیں مثل ان کے کوئی عقدہ کشائی میں نہیں

معبود کے عبد ہیں نصیری کے خدا بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائی میں نہیں

(۷۵)

قطرے میں ہے سب جس کے وہ دریا ہے علیؑ ۔ پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ

ہوتا ہے گماں خدا کا جس پہ ہر بار ۔ اللہ اللہ ایسا بندا ہے علیؑ

(۷۶)

مولا کوئی کوئی معتقد کہتا ہے ۔ کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے

اللہ رے مراتب علیؑ اعلیٰ ۔ بندہ کوئی کوئی خدا کہتا ہے

مدح علیؑ محال ہے

(۷۷)

دم الفت حیدر کا جو بھرتا ہوں میں ۔ خیال آتا ہے دل کو جذب کرتا ہوں میں

ممکن ہی نہیں کہاں صفات نام خدا ۔ کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

علیؑ حاضر بھی ہیں غائب بھی

(۷۸)

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علیؑ ۔ خاکہ رسول حق کا نائب ہے علیؑ

اللہ اللہ صورت ذات خدا ۔ ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علیؑ

علیؑ کا اختیار

(۷۹)

کچکول کو تاج خسروانی کردیں　　درویش کو اسکندر ثانی کردیں
مختار ہیں سرد و گرم عالم کے علیؑ　　چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کردیں

(۸۰)

نوٹ چاہیں جو علیؑ قطرے کو دریا کردیں　　ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کردیں
نسخہ کیسا علاج کہتے ہیں کسے　　بیمار کو چاہیں تو مسیحا کردیں

فضیلت علیؑ

(۸۱)

عالم پہ کتاب علم و حکمت کے ہیں　　ہر فصل میں فرد اک کرامت کے ہیں
کہتے ہیں دو عالم جسے اہل عالم　　دو باب حیدر کی فضیلت کے ہیں

نوٹ - ایک قلمی نسخہ میں مندرجہ بالا رباعی میں اوپر کے دو مصرعے اس طرح ہیں۔
اعمیٰ کو علی چاہیں تو بینا کردیں،　　قطرے پہ کرم کریں تو دریا کردیں

(٨٢)

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا — طاعت ہی میں شام تک سحر سے پایا

اللہ نے دی تیغ نبی نے دختر — رتبہ یہ ادھر سے وہ اُدھر سے پایا

مدح سراپائے علیؑ

(٨٣)

جامِ عرفاں ہے چشم مست حیدرؑ — حق بیں ہی نگاہ حق پرست حیدرؑ

چہرہ ہے بہار بوستانِ فردوس — گلدستۂ باغ دیں ہی دست حیدرؑ

(٨٤)

آئینۂ حرم ہے چشم مست حیدرؑ — کعبہ ہے دلِ خدا پرست حیدرؑ

سینہ تو ہے مخزنِ علوم نبوی — ابر کرم خدا ہے دست حیدرؑ

علیؑ کی غذا

(٨٥)

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ — دنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ

خود قاسمِ رزقِ دو عالم تھے مگر — تھی نانِ جویں فقط غذائے حیدرؑ

تمام کتبِ سماوی مدّاحِ علیؑ ہیں

(۸۶)

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر
حلّالِ مہمات ہے ذاتِ حیدر

توریت انجیل اور زبور و فرقان
ہیں ایک رباعیِ صفاتِ حیدر

علیؑ کا مرتبہ

(۸۷)

ہے روحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمترین ثناخوانوں میں

خورشیدِ فلک فخر سے آملتا ہے
ذرّوں میں شب کو جو پروانوں میں

علیؑ کے گھر کا فیض

(۸۸)

فیاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا
ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا

وا رہتا ہے بابِ خیر واں آٹھ پہر
حق نے مانگا علیؑ کے گھر سے پایا

(۸۹)

ایمان پایا علیؑ کے در سے پایا ۔۔۔ رتبہ پایا تو کس بشر سے پایا

طوبیٰ کوثر بہشت و آرام لحد ۔۔۔ جو کچھ پایا علیؑ کے گھر سے پایا

(۹۰)

اعلیٰ رتبہ میں ہر بشر سے پایا ۔۔۔ افضل نہیں خضر راہبر سے پایا

یہ در جو نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے ۔۔۔ جنت کا پتا علیؑ کے گھر سے پایا

(۹۱)

کیا حرؑ نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا ۔۔۔ کیا مرتبہ شاہ بحر و بر سے پایا

تھی آرزوئے بہشت و آب کوثر ۔۔۔ وہ باپ سے پایا یہ پسر سے پایا

تمسک اہلبیت سبب نجات ہے

(۹۲)

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اترا ۔۔۔ نے شرع چڑھی کوئی نہ پردا اترا

تھا کشتیٔ احمدؐ سے علاقہ جن کو ۔۔۔ دریا سے سلامت وہی بیڑا اترا

نوٹ - اس رباعی میں اشارہ ہے اس حدیث کیطرف مَثَلُ اَهْلِبَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا فَغَرَقَ ۔

مدحِ جنابِ فاطمہؑ

(۹۳)

کرسی کس کی ہے عرش علا کس کا کس کی یہ شرافت ہے رتبا کس کا
صدیقہ جناب سیدہ بنت رسول زہرا کے ازہرا کو یہ ہے سرا کس کا

مدحِ امام حسینؑ

(۹۴)

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں عرش اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی اے لشکر شام وہ ستارا ہوں میں

حسینؑ سید الشہدا ہیں

(۹۵)

یکتا گہر قلزم سرمد ہے حسینؑ سردار امم مثل محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہ عشق حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

حسینؑ کا اختیار

(۹۶)

جس پر نظر اک لطف کی شبیر کریں
اد نیٰ کو اعلیٰ سب اُسکی توقیر کریں
جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس
جس خاک کو چاہیں ابھی اکسیر کریں

حسینؑ رہنمائے جنت ہیں

(۹۷)

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے
تھراتا ہے کیوں انیسؔ پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط
شبیر سا دستگیر یاں رہبر ہے

حسینؑ کی عبادت

(۹۸)

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے
کیا عزّ و شرف امامِ غازی کا ہے
سجدہ کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے
نیزہ پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

حسینؑ نے حُر کی رہبری کی

(۹۹)

حُر جبکہ فدائے شہِ ذیجاہ ہوا — اک غلغلہ رحمہ اللہ ہوا

جنت میں نہ کس طرح پہونچتا وہ جری — شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہوا

حسینؑ کی رضا باعثِ نجات ہے

(۱۰۰)

شبیرؑ سا حُر نے جبکہ رہبر پایا — پایہ سے ہوا عرش کے برتر پایا

اک سبطِ رسولؐ کی رضامندی سے — حوریں پائیں بہشت و کوثر پایا

حسینؑ کی رضا خدا کی رضا ہے

(۱۰۱)

جب حُر کا گنہ شاہِ امم نے بخشا — قطرہ کو شرف بحرِ کرم نے بخشا

گردوں سے ندا آئی کہ اے سبطِ نبی — تو نے جسے بخشا اسے ہم نے بخشا

دبیر

حر کو کیا بخت کبریا نے بخشا
یہ نام اُسے بخت رسا نے بخشا

جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ
میں نے بخشا مرے خدا نے بخشا

سبع شانی

مدح حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ و علی اصغرؑ

(۱۰۲)

عباس سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبرؑ سا بھی گلبدن نہ ہوگا کوئی

گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ہلے
اصغرؑ سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

مدح حضرت علی اکبرؑ

(۱۰۳)

منھ چاہیے وصف رخ اکبر کے لئے
تھا حسن اسی سرو سمنبر کے لئے

نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگ گل چاہیے مسطر کے لئے

مدح انصار حسینؑ

(۱۰۴)

اعدا رفقائے شہ سے سر بر نہ ہوئے
لڑتے رہے جب تلک کہ بے سر نہ ہوئے

سرکار نہ کیوں آرزو رہی دنیا میں
ایسے غازی مگر میسر نہ ہوئے

مدح حضرت حرؑ

(١٠٥)

حر نے مقداد کا مقصد پایا — اسلام بھی سلمان کے برابر پایا
عمار کی طرح پائی عمر جاوید — زر چھوڑا تو رتبہ بوذر پایا

(١٠٦)

حر کہتا تھا جب میں نہ ہوگا — پر نور مری قبر کا کونا ہوگا
زانوئے حسینؑ اور ردائے زہرا — تکیہ تو یہ ہوگا وہ بچھونا ہوگا

مدح شمشیر حسینؑ

(١٠٧)

جو صف پہ تیغ شاہ آجاتی تھی — اڑ جاتے تھے سر شکست پا جاتی تھی
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ — وہ تیغ تو مورچے کو کھا جاتی تھی

مدحِ ائمۂ اثنیٰ عشر

(۱۰۸)

روشن شمعیں تجلّیِ طور کی ہیں　　خالِ اُن کے رخوں کے تپلیاں حور کی ہیں

قرباں دوازدہ امام برحق　　بارہ سطریں یہ سورۂ نور کی ہیں

دبیر

جامع سیپاروں کا جو رحمٰن ہوا　　چودہ معصوموں کا ثناخواں ہوا

سورے مصحف کے ایک سو چودہ ہیں　　کامل چودہ سے مل کے قرآن ہوا

المیزان

اعتقادیہ

(۱۰۹ - ۲۲۱)

مدحِ امام کے برکات

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے　　باعث مدحِ امامِ نامی کا ہے

میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا　　آقا یہ شرف تری غلامی کا ہے

مداحی کا صلہ

(۱۱۰)

جو بند کہا وہ نذرِ حسینؑ کے لئے
جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لئے
اس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں میں
اک جامِ شرابِ حوضِ کوثر کے لئے

مدحِ علیؑ ناممکن ہے

(۱۱۱)

ہو جاتی ہے سہل مشق دانا مشکل
دل نے نہ کسی امر کو جانا مشکل
مدحِ شہِ دیں میں ہے مگر دل کا یہ قول
ہے بحر کا کوزہ میں سمانا مشکل

علیؑ کی غلامی پر فخر

(۱۱۲)

واحد ہے جو عبدِ نیک نام اس کا ہوں
یکتا ہے جو مداحِ مدام اس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس
قنبرؑ کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

علیؑ کی غلامی باعثِ نجات ہے

(۱۱۳)

دنیا سے اٹھا لے کے میں نام حیدر — جنت کو چلا بہ سلام حیدر
عصیاں سے ہو بستہ رو تو رضواں نے کہا — آنے دو اسے ہے یہ غلام حیدر

علیؑ کا محب مر کر نجف پہونچ جاتا ہے

(۱۱۴)

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا — جوہر معدن میں در صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں اسے دفن کرو — جو عاشق حیدر ہے نجف میں ہوگا

عرفی بہ کاوش مژہ از گور تا نجف بروم — اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

(۱۱۵)

ایوان فلک جناب دیکھا ہم نے — فردوس زمین کا باب دیکھا ہم نے
جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر — دربار ابو تراب دیکھا ہم نے

مونس

ہر شخص کو فیضیاب دیکھا ہم نے
ہر ذرہ کو آفتاب دیکھا ہم نے
آخر کام آئی خاکساری مونس
در بار ابو تراب دیکھا ہم نے

(۱۱۶)

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
ہر قدم میں ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزار نجف میں مدح خوان ہے گا انیس
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

آرزوئے زیارت نجف و کربلا

(۱۱۷)

اے بخت رسا سوئے نجف راہی کر
مجھ زار کو زائر ید اللّٰہی کر
لے جا سوئے کربلا مری مشتِ غبار
اے بادِ صبا اتنی ہوا خواہی کر

سرکار امیر المومنین

(۱۱۸)

کس شہر میں در مدعا ملتا ہے
سنتے ہیں نجف میں با رہا ملتا ہے
سرکار علی وہ ہے کہ ہر بندہ کو
دولت کیا مال ہے خدا ملتا ہے

مدح نجف اشرف

(۱۱۹)

جو روضۂ حیدر پہ مکیں ہوتا ہے وہ داخل فردوس بریں ہوتا ہے
یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ جس طرح کہ خاتم پہ نگیں ہوتا ہے

مدح خاکِ نجف

(۱۲۰)

کیا فیض علیؑ کے قدمِ پاک سے ہے روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں دُرِ نجف قطرۂ آب پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

(۱۲۱)

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی
ملتا ہے قدم قدم پہ دُرِ مقصود چھانے تو نجف کی خاک چھانے کوئی

مدحِ مزار حضرت علیؑ

(۱۲۲)

سرمہ ہو غبارِ رہگذارِ حیدرؑ   مردم نہوں کس طرح نثارِ حیدرؑ

ہو جاتی ہیں کوری کی بھی آنکھیں روشن   آئینۂ نور ہے مزارِ حیدرؑ

مدحِ صحرائے نجف

(۱۲۳)

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے   نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے

صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس   ہر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

حسرتِ زیارتِ کربلائے معلیٰ

(۱۲۴)

یا زیست میں یا بعدِ فنا پہونچیں گے   یاور ہیں اگر محبت تو جا پہونچیں گے

کیا دن ہونگے تیار اُس دن کے انیس   جس روز قریبِ کربلا پہونچیں گے

(۱۲۵)

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں　　توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں اب　　کیوں رک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

(۱۲۶)

مہجور ہوں جنت کے چمن والوں سے　　مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے
یارب وہ مکاں جلد دکھا دے مجھکو　　جھاڑا ہے جسے فاطمہؑ نے بالوں سے

(۱۲۷)

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے　　تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دنیا میں کسی نے پائی ہی نہیں　　جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے

دبیر

گل ہو نہ چراغ عمر جلتے جلتے　　ہو جائے نہ چھاؤں دھوپ ڈھلتے ڈھلتے
چلنا ہے تو چل جلد زیارت کو دبیر　　آجائے نہ موت راہ چلتے چلتے

حیاتِ دبیر

نوٹ :- یہ رباعی میر انیس مرحوم نے اپنی لڑکیوں کے عقد نکاح سے فرصت پانے کے بعد نظم کی تھی جس کی طرف تیسرے مصرع میں اشارہ ہے۔

حسینؑ کا دوست مر کر کربلا پہونچ جائے گا

(۱۲۸)

مرقد میں انیسؔ نہ کفن میں ہوگا
روضۂ سلطانِ زمن میں ہوگا

چلکر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

شوقِ زیارتِ کربلا

(۱۲۹)

سوزِ غم دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنول لگا بجھا رکھا ہے

نکلو کہیں جلد عمرِ حضرت ہی انیسؔ
اس ہندِ نحستیہ میں کیا رکھا ہے

(۱۳۰)

کل دل کو نہیں ہے آج کل جائیں گے
اب ہند کی ظلمت سے نکل جائیں گے

ہاتھ آئے تو جادۂ صراطِ ایمان
گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

(۱۳۱)

جس شخص کو شوقِ کربلا ہوتا ہے — غربت میں کفیل اُسکا خدا ہوتا ہے

کیا خضر کی احتیاج اسے کعبہ میں — ہر نقشِ قدم قبلہ نما ہوتا ہے

زمین کربلا پر دفن کی آرزو

(۱۳۲)

یارب اثر مری دعا میں مل جائے — اک قبر جوار شہدا میں مل جائے

صدقہ سے ابوتراب کے یا غفار — یہ خاک مری خاکِ شفا میں مل جائے

(۱۳۳)

توفیق ثنائے شہ دیں پاؤں میں — جس میں کہ ہے نام وہ نگیں پاؤں میں

یارب دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق — مرجانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

فضیلت زمین کربلا

(۱۳۴)

حاصل جو شہ دیں کی حضوری ہوجائے — لاکھوں منزل سقر سے دوری ہوجائے

قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت — ناری بھی اگر جائے تو نوری ہوجائے

دبیر

حاصل جسے آقا کی حضوری ہو جائے   عصیاں کی تیرگی سے دُوری ہو جائے
اے مؔس علی مجلس پُر نور حسینؑ   ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہو جائے

مراثیٔ دبیر جلد دوم

خاکِ مزارِ حسینؑ دوائے ہر مرض ہے

(۱۳۵)

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا   بے سود نہیں ہر دوا کو دیکھا
ہر درد کی صحت کے واسطے سریع التاثیر   دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

دوائے دردِ عصیاں

(۱۳۶)

زر کے لئے حق نے کیمیا پیدا کی   جو درد دیا اس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج   اس کے لئے یہ خاکِ شفا پیدا کی

سُرمۂ چشم

(۱۳۷)

جبریلِ امیں کو فخرِ دربانی ہے
حضرت کا غبارِ تن نورانی ہے

ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سُرمۂ سلیمانی ہے

زیارتِ روضۂ حسین عبادت ہے

(۱۳۸)

جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہونچے
بے شبہ و شک وہ مصطفیٰ تک پہونچے

اللہ رے عزت و شانِ زوارِ حسین
پہونچے جو حسین تک خدا تک پہونچے

دبیر

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہونچا
معراج ہوئی عرش عُلا تک پہونچا

کیا قرب ہے اللہ کا اللہ اللہ
پہونچا جو حسین تک خدا تک پہونچا

سج شانی

زیارتِ روضۂ امام رضا علیہ السّلام

(۱۳۹)

جب در سے ایوان علا کو دیکھا
لاریب کہ عرش کبریا کو دیکھا

سو بار کیا طوافِ کعبہ اوّل
اکبار جو روضۂ رضا کو دیکھا

عزا خانہ

(۱۴۰)

اک نور کا گھر شہ کا عزا خانہ ہے
آباد محبوں سے یہ کاشانہ ہے

کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے

(۱۴۱)

رعبِ شہِ دیں جاہ سے تھراتے ہیں
طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں

آداب ہے کہ تعزیہ خانہ میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علَم آتے ہیں

(١٤٢)

اس بزم کو جنت سے جو خوش پاتے ہیں — رضواں لئے گلدستۂ نور آتے ہیں
کیا صحن ہے گلشن عزائے شبیرؑ — پانی یہاں خضرؑ آ کے بھر جاتے ہیں

(١٤٣)

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں — رخسار پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں نہ رونق ہو زیاد — دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

مجلس میں جناب فاطمہؑ کا گذر

(١٤٤)

یہ بزم عزائے پسر زہراؑ ہے — بیٹھو باادب یاں گذر زہراؑ ہے
چادر سے ہر ایک کے اشک کرتی ہیں پاک — ہر چشم کے اوپر نظر زہراؑ ہے

(١٤٥)

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے — فردوس صلہ رونے رلانے کا ہے
خورشید نقاب رخ اٹھائے کیونکر — ہاں وقت یہ فاطمہؑ کے آنے کا ہے

مجلس میں ارواحِ ائمہ کا وُرُود

(۱۴۶)

افلاکِ شرافت کے ستارے آئے　　فردوس سے یاں نبی کے پیارے آئے
مجلس میں ہوا روحِ ائمہ کا گذر　　رونے کو طرفدار ہمارے آئے

مجلسِ عزا

(۱۴۷)

انس و ملک و حور کی مجلس یہ ہے　　تاج سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل　　واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

(۱۴۸)

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ　　سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی صورتوں کو چشم بد دور　　مانی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

(۱۴۹)

تیر غم شہ سینہ میں پیوستہ ہے　　ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس مجلس میں　　یہ بزم عزائے خلد کا گلدستہ ہے

میر عشق

راہ غم شبیر میں دل خستہ ہے　　فردوس میں جانے کا یہی رستہ ہے
گلزار کو اس بزم سے کیا نسبت ہے　　غنچہ نہیں شیون کا یہ گلدستہ ہے

مراثی عشق جلد ۱

(۱۵۰)

ہے فصل عزا جدا جدا مجلس ہے　　گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے
ماشاء اللہ چشم بد دور رہے بس　　کیا جمع مومنین ہے کیا مجلس ہے

(۱۵۱)

اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے　　حقا کہ یہ بزم گلشن جنت ہے
رونے کو ہیں جمع عاشقان شبیر　　کیا لوگ ہیں کیا وقت ہے کیا صحبت ہے

نوٹ:- بلا کسی تغیر کے جلد مراثی میر مونس میں بھی یہ رباعی موجود ہے۔

(۱۵۲)

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے　　آئے تو پناہ مصطفےٰ میں آئے

اس بزم میں آئے جو محبانِ علیؑ　　راحت ہے کہ رحمتِ خدا میں آئے

دبیر

احساں نہیں گر بزمِ عزا میں آئے　　آئے تو پناہ مصطفےٰ میں آئے

گزری ہی کے دن تھے کہ تمہاری خاطر　　شبیرؑ وطن سے کربلا میں آئے

مراثی دبیر جلد دوم

مجلس شب اور فراوانیٔ نور

(۱۵۳)

حاضر ہو خموش کیوں حضور کی مجلس ہے　　حقا کہ عجب ظہور کی یہ مجلس ہے

دیکھو جدھر آنکھ اٹھا کے روشن ہے مکاں　　سبحان اللہ نور کی مجلس ہے

مجلس کے برکات

(۱۵۴)

ابن اسد اللہ کا دربار ہے یہ　　مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ

پہلے اشک نذر کر لیں مومن　　پھر چاہیں سو لیں سخی کی سرکار ہے یہ

کثرتِ مجمعِ مجلس

(۱۵۵)

نا امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی — اللہ رے خوشی ترا اِس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس — ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی

دبیر

ہر عضو سے سربلند گو آنکھیں ہیں — پُر فرش کی ہو کمی تو لو آنکھیں ہیں
کس کس کے بزیرِ پا بچھاؤں میں دبیر — ہم چشم بہت ہیں اور دو آنکھیں ہیں

یاں مجھکو بچھانا تھا ضرور آنکھوں کا — اس پردہ میں تھا علی سر و آنکھوں کا
پر اب تو نہیں تل کے بھی رکھنے کی جگہ — آنکھوں کے عوض بچھاؤں نور آنکھوں کا

حیات دبیر

نوٹ ـ یہ رباعی میر انیس نے بعد غدر نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری واقع کٹرہ ابو تراب خاں میں پڑھی تھی ـ مجلس ایک ڈپٹی کلکٹر کی بنا کردہ تھی ـ ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک تھے بہت بڑا مجمع تھا ـ اسی مجمع کو دیکھکر یہ رباعی نظم کی ـ مفتی میر عباس صاحب بھی شریک تھے مجلس میں یہ مرثیہ پڑھا گیا تھا مطلع " جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر ـ

(١٥٦)

مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر　　احسان یہ سر پر یہ قدم آنکھوں پر
ہے عین شرف خدمتِ احبابِ حسینؑ　　گر ہو نہ جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

مدحِ اہلِ مجلس

(١٥٧)

عابد سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں　　بینا صفت مردم دیدہ سب ہیں
گلزار ہے لکھنؤ انھیں پھولوں سے　　چیدۂ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

دعا برائے حاضرینِ مجلس

(١٥٨)

اس بزم کی تعریف کا غل ہر سو ہے　　ایک ایک عزادار شہ خوش خو ہے
یارب رہے یہ باغ خزاں سے محفوظ　　جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

مدحِ حاضرینِ مجلس

(۱۵۹)

گلچیں تو بھلا چمن سنوارے ایسے　　مجلس ایسی ہی کے پیارے ایسے
کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہوں گے　　گردوں نے بھی گنجان ستارے ایسے

نوٹ :۔ بعض نسخوں میں یہ رباعی اس طرح ہے۔

دنیا میں ہیں یہ علیؑ کے پیارے ایسے　　رضواں ہے فدا گل ہیں سارے ایسے
کہتا ہے مہِ عزا کہ افلاک نے بھی　　دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

(۱۶۰)

پُر نور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں　　زہرا و ید اللہ کے پیارے یہ ہیں
روتے ہیں جو بزمِ غم میں با نالہ و آہ　　شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

یادگذشتگان

(١٦١)

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے　　پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے
اُس عشرہ میں تھے شریک مجلس جو لوگ　　اِس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے

ضمیر و دبیر

روئے پہ غم بادشہ عالی ہے　　اور مرگ کسی نے بھی نہیں ٹالی ہے
اللہ کرے غریق رحمت سب کو　　اس بزم میں کس کس کی جگہ خالی ہے

(مراثی ضمیر جلد ۱، مراثی دبیر جلد ۲)

تابش آفتاب

(١٦٢)

الفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں　　ایسوں کو سعید ازلی کہتے ہیں
اس بزم میں جو سر پہ اٹھا کے آتے ہیں لوگ　　ہنس ہنس کر طوبیٰ لکم علی کہتے ہیں

(۱۶۳)

ہر نالۂ دل جگر کو برما جائے	ایسا روؤ کہ ابر تر شرما جائے

سرما تو گیا یہ سرد ہے کیوں نہ حسینؑ	ٹھنڈی آہیں کرو تو گرما جائے

(۱۶۴)

یاں[نوٹ] دھوپ بھی آکے زرد ہو جاتی ہے	آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے

پنکھے آہوں کے آنسوؤں کا چھڑکاؤ	یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اہل مجلس کا پسینہ

(۱۶۵)

احباب کا مجمع ہے بہار غم ہے	کیا خوب فضائے چمن ماتم ہے

سینہ میں کھلے ہیں گل داغ غم شاہ	گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

نوٹ۔ جناب دولہا صاحب عروج مرحوم سے جناب پیارے صاحب رشید مرحوم نے بیان کیا کہ میر انیس نے بعد غدر پڑھنا ترک کر دیا تھا نواب امجد علی خاں صاحب بیگم شیش محل کی استدعا پر خود در محل میں مجلس پڑھی۔ مجمع کثیر تھا۔ گرمی شدت کی تھی اور لو بھی چل رہی تھی۔ مندرجہ بالا رباعی اس مجلس میں پڑھی اور "جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج" یہ مرثیہ پڑھا۔ منقول از بیاض قلمی کتبخانہ محمود آباد۔

میر عشق۔ گرمی سے نہ اندازہ پریشانی ہو — شبیر کے پیاسے کی ثنا خوانی ہے
اے عشق پسینہ نہیں آتا ہر گز — دھوتا ہے گنہ منھ کو یہ وہ پانی ہے

مراثی عشق جلد ۱

(۱۶۶)

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے — عصیاں سے وہ بے حساب چھٹ جاتا ہے
خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے — پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

خستگی آواز

(۱۶۷)

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے — کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے
ہے غم شبیر کی تاثیر انیس — آواز قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

دبیر

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز — پر تعزیہ دار شاہ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر کنج دہن سے تو بجا — ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

حیات دبیر

(۱۶۸)

انداز سخن تم جو ہمارے سمجھو
جو لطف کلام ہیں وہ پیارے سمجھو

آواز گرفتہ گو ہے اس ذاکر کی
پھر دوں رو رو اگر اشارے سمجھو

فضیلت ذاکر

(۱۶۹)

نابالیدہ ہوں وہ آج مجھے آج ملا
ظل علم صاحب معراج ملا

منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

بکا ء علی الحسینؑ

(۱۷۰)

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لئے
رونا ہی چلا ہے چشم پرنم کے لئے

ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں
آنکھیں رونے کو ہاتھ ماتم کے لئے

نوٹ۔ یہ رباعی لکھنؤ میں پہلی مجلس میں پڑھی جو حسینیہ اکرام اللہ خاں میں منعقد ہوئی تھی۔

(۱۷۱)

رومال ہے آنکھوں سے بھگونے کے لئے — یہ آنکھیں یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے

ہنسنے کے لئے تو سال بھر ہے یارو — دس روز محرّم کے ہیں رونے کے لیے

(۱۷۲)

داغِ غمِ شبّیر دل میں اگر پیدا ہو — مر کر بھی محبّت کا اثر پیدا ہو

گر بعدِ فنا خاک کو چھانیں میری — پیدا ہو، اگر تو چشمِ تر پیدا ہو

(۱۷۳)

ہر شب غمِ شبّیر میں جاں کھویا کیجے — ہر روز منہ آنسوؤں سے دھویا کیجے

بیدار اگر ہوں بختِ خوابیدہ نہیں — حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

(۱۷۴)

ہر دم غمِ سبطِ شہِ لولاک کیا — جب نام لیا چشم کو نمناک کیا

تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن — پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

(۱۷۵)

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی   پر شہ کے عزاداروں کو راحت ہوگی
دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو   قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

(۱۷۶)

مظلوم پہ بزمِ مومنین روتی ہے   وہ کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے
مرتا ہے جو کوئی رونے والا شہ کا   اس پہ چالیس دن زمیں روتی ہے

(۱۷۷)

جب واردِ حشر رونے والے ہوں گے   شاہِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو   نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

(۱۷۸)

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا   دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا
یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں   جو حظ غمِ شاہِ بحر و بر سے پایا

(۱۷۹)

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی　　بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی

حقا کہ بلک نواز ہے ذات تری　　جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

دبیر

گھر خلد میں مجلسوں کے جانے سے ملا　　قصر گہر اشکوں کے بہانے سے ملا

ہر چشم کے چشمہ سے یہ جاری ہے صدا　　کوثر مردم کو اس بہانے سے ملا

المیزان

(۱۸۰)

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں　　بھیگے جو مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں

یوں سینہ و قلب سرد ہو جائیں گے　　خس خانہ میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

(۱۸۱)

جو شاہ کے غم کو دل میں جا دیوے گا　　اللہ اسے اس کا صلا دیوے گا

اشک غم شبیرؑ کا دیکھو تو اثر　　اک قطرہ جہنم کو بجھا دیوے گا

(۱۸۲)

کس غم میں یہ لذت ہے جو اِس غم میں ہے — سینہ کو سپر رشتہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک — رونے کا مزہ ماہِ محرم میں ہے

(۱۸۳)

بادل آ آ کے رہ گئے ہائے غضب — آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے اِس سال — آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

(۱۸۴)

رونے کی جو غم میں شہ کے خو ہووے گی — واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی
اشکوں کا جواب دے یہ ہوں گے گریاں — محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

(۱۸۵)

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے — انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر — دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

نوٹ:- یہ رباعی ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب محرم برسات میں پڑا تھا پڑھی گئی۔

(۱۸۶)

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے　　اشکوں کی روانی پہ پڑی رہتی ہے

دونوں آنکھیں میری ساون بھادوں　　یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

(۱۸۷)

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے　　مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے

فیضِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری　　ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

(۱۸۸)

جس جا ذکرِ حسین ہو جاتا ہے　　رونے سے دلوں کو چین ہو جاتا ہے

آ کر بزمِ عزائے شہ میں رونا　　ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

(۱۸۹)

آئینۂ خاطر کی جِلا ہے رونا　　اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا

پوچھا جو علاجِ دل مسیحا نے کہا　　ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

(١٩٠)

عمر اپنی غمِ شہ میں بسر کر لے تو — آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شغلِ ماتم میں سدا — پھر قصرِ جناں انیس گھر کر لے تو

(١٩١)

کس کام آئے گی تیز ہوشی تیری — ہے تیری ولا میں گرم جوشی تیری
مجلس میں گئے جو اشک حضرت کے عزیز — ہے عینِ خطا یہ چشم پوشی تیری

(١٩٢)

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار — شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے یوں یہ ابرِ اندوہ و ملال — رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

(١٩٣)

دامن جو یہ رونے میں شبیر تر ہو جائیں — خوشبو دہ غنچۂ تشنہ جگر ہو جائیں
موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں اشک — حضرت کو جو منظورِ نظر ہو جائیں

(۱۹۴)

شبیر کا حشر تک ہے ماتم باقی　　اور زیست کا عرصہ ہے بہت کم باقی
جی بھر کے حسین ابن علی کو رو لو　　اب نصف ہے عشرہ محرم باقی

(۱۹۵)

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس　　جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے　　کیوں صاحبو ہو چکا محرم افسوس

(۱۹۶)

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو　　اے ابن علی کے صدقہ ہونے والو
اس اجر عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے　　اب دو ہی شبیں اور ہیں رونے والو

(۱۹۷)

عشرہ کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں　　جی بھر کے نہ رونے ہی پچھتاتے ہیں
رونا آئے تو خوب رو لو یارو　　چہلم کے بھی ایام چلے جاتے ہیں

(١٩٨)

عریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک   ناموسِ حق ایذا و محن ہے اب تک
چہلم کے ہیں دن خاک اڑاؤ یارو   شبیر کی لاش بے کفن ہے اب تک

چشمِ عزادار

(١٩٩)

سوزِ غمِ شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں   گل لختِ جگر ہیں باغ باغ آنکھیں ہیں
چشمِ بد دور بزمِ ماتم ہے نور   آنسو روغن ہیں اور چراغ آنکھیں ہیں

چشمِ عزادار

(٢٠٠)

ہیں سوگ میں شبیرؑ کے ہر دم آنکھیں   رہتی ہیں تمام سال پُرنم آنکھیں
بیجا نہیں وحشتِ مژہ کی جنبش   کرتی ہیں غمِ شاہ میں ماتم آنکھیں

مردم چشم

(۲۰۱)

شبیر کے غم میں دل کو بیتابی ہے — شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے
دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں — ہر مردم چشم مردم آبی ہے

(۲۰۲)

میخانۂ کوثر کا شرابی ہوں میں — کیا قبر کا خوف بوترابی ہوں میں
کہتی ہے یہ چشم خشک بے دیکھو نہ مجھے — اے اہل نظر مردم آبی ہوں میں

مژگان اشک آلود

(۲۰۳)

ہاں جوش غم سرور عالی ہو جائے — چہروں پہ ملیں اشکوں سے بحالی ہو جائے
یوں لخت جگر چشم سے ٹپکیں پیہم — ہر موئے مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

(۲۰۴)

دل ماتمِ شبیر میں صد پارہ ہے
نہ ضبطِ فغاں نہ صبر کا یارا ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہو دریا غم کا
ہر موئے مژہ چشم کا فوارہ ہے

(۲۰۵)

کیا دستِ مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح
سبحان اللہ کیا بنائی تسبیح
آنسو نہیں رکتے ہیں غمِ شہ میں انیس
آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

اشکِ عزا

(۲۰۶)

ہر اشکِ عزادار دُرِ یکتا ہے
قیمت فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے
اللہ ہے مشتری فروشندہ رسول
کیا جنس ہے کیا بہا ہے کیا سودا ہے

(۲۰۷)

جب دل غمِ شہ سے داغ ہو جاتا ہے
ہر گوشۂ قبر باغ ہو جاتا ہے
مردم کہتے ہیں جس کو یاں دانۂ اشک
واں گوہرِ شب چراغ ہو جاتا ہے

(۲۰۸)

مجلس میں عجب بہار چشمِ تر ہے — ہر لختِ جگر رشکِ گلِ احمر ہے

اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی — بیقدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

دبیر

اشکِ غمِ شبیر دُرِ یکتا ہے — ہر دیدۂ حق بیں سے ہویدا ہے

بے اشکِ عزا آہ وہ چشمِ تہی خاک — پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

حیات دبیر

(۲۰۹)

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں — مردم کے لئے عزّ و شرف آنکھیں ہیں

جوشِ غمِ شبیر سے دل دریا ہے — آنسو گوہرِ بہا و صدف آنکھیں ہیں

(۲۱۰)

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں — خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں

ہے عینِ یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ — کھل جائے گا جب بند ہوں گی آنکھیں

(۲۱۱)

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں اشک　　اللہ ہی مشتری و گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے انکو کہتے ہیں ملک　　گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں یہ اشک

(۲۱۲)

ناگھر میں کفن نہ بوریا رکھتے ہیں　　دامن میں گل اشک عزا رکھتے ہیں
انجام پہ ہے نظر سوم ہو کہ نہ ہو　　یہ پھول ابھی سے ہم اٹھا رکھتے ہیں

(۲۱۳)

رونے کا رسول حق صلا دیتے ہیں　　شیعوں کو ملائکہ دعا دیتے ہیں
کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کر آنسو　　ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بجھا دیتے ہیں

(۲۱۴)

جو قطرۂ اشک ہے دل آرام ہے یہ　　فیض غم شبیر خوش انجام ہے یہ
آنکھوں کی ضیا تقویت قلب و دماغ　　آنسو نہ سمجھ روغن بادام ہے یہ

(۲۱۵)

داغِ غمِ شہ سینہ میں گل بوٹے ہیں — کیا کیا گہرِ بیش بہا بوٹے ہیں

مجلس میں یہ پائے جو کہ تحفے میں پاتے ہیں — اشک اُن کے بھی موتی ہیں مگر چھوٹے ہیں

دبیر

مجلس میں گُلِ اشکِ عزا لوٹے ہیں — ثابت ہے ولا شیشۂ دل ٹوٹے ہیں

ہاں اشکِ بہائی کا بھی ہے مول بہشت — موتی سچے ہیں جوہری جھوٹے ہیں

سبع مثانی

داغِ دل

(۲۱۶)

روشن مجھ پہ ہر ایک داغ ہو جاتا ہے — سینہ جنت کا باغ ہو جاتا ہے

دلِ اہلِ عزا کا غم سے جلتے جلتے — چہلم میں جل جل چراغ ہو جاتا ہے

(۲۱۷)

بخشش میں غمِ شاہ کو کافی پایا — تربت میں بھی لطفِ سینہ صافی پایا

وہ زخم کیسا دکھا کے منھ کو کلیجہ چراغ — ہر زخم پروانۂ معافی پایا

(۲۱۸)

آنسو رخِ مومن کے لئے غازہ ہے
شیعہ کی لحدِ خلد کا دروازہ ہے

داغِ غمِ شاہ سے ہے تربت روشن
یہ پھول خزاں میں بھی ترو تازہ ہے

سوزشِ قلب

(۲۱۹)

سوزِ غمِ سرور سے جگر جلتا ہے
دن بھر جلتا ہے رات بھر جلتا ہے

سینہ مرا شہ کا تعزیہ خانہ ہے
دل جلتا ہے یوں جیسے اگر جلتا ہے

ثوابِ آہ و نالہ

(۲۲۰)

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاہ کریں
سر پیٹنے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں

ہر دانۂ اشک ہے ثوابِ تسبیح
تہلیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

محبتِ حسینؑ میں موت

(۲۲۱)

جز مدح سخن منہ سے کوئی کم نکلے　　ہر دم سینہ سے آہ پُر نم نکلے
روحی بفداک یا حسینؑ ابن علیؑ　　نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

رثائیہ

(۲۲۲-۲۸۷)

شہادت حضرت علیؑ

دامادِ رسول کی شہادت ہے آج　　معصومۂ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلین　　خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

(۲۲۳)

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں　　گردوں پہ ملک اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اٹھتا ہے　　بن باپ کے سبطین نبیؐ ہوتے ہیں

(۲۲۴)

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدر ذاکر بھی ہے مصروفِ بیانِ حیدر
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا رونے کو ہیں جمع شیعیانِ حیدر

(۲۲۵)

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے مرنے پہ کمر باندھ کے حیدر نکلے
واللہ کہ حق خانہ زادی یہ ہے نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

(۲۲۶)

مسجد میں چراغ دین خاموش ہوا ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہوا
پہنا ملبوس نیلگوں گردوں نے کعبہ بھی ماتم میں سینہ پوش ہوا

(۲۲۷)

کعبہ میں جسے حق نے اتارا ہوگا مرحب سے جوان کو جس نے مارا ہوگا
تلوار سے اک شقی کی سبحان اللہ سجدہ میں اسی کا سر دوپارا ہوگا

روانگی امام حسینؑ از مدینہ

(۲۲۸)

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے　　کس طرح نہ اشک چشم تر سے نکلے
کیوں دل نہ اداس ہوں عزاداروں کے　　شبیرؑ انھیں دنوں میں گھر سے نکلے

مفارقت بیت اللہ

(۲۲۹)

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے　　اور روضۂ سیّدالبشر سے نکلے
کعبہ میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا　　روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

دبیر

ہے ہے کشور دل کو فوج غم نے لوٹا　　اور شیشۂ صبر سنگ غم سے ٹوٹا
یہ ماہ رجب وہ ہے کہ جس میں شہ سے　　نانا کی لحد چھٹی مدینہ چھوٹا
مراثی دبیر جلد ۲

شہادت پسران جناب مسلم

(۲۳۰)

چلاتے تھے مسلم کے پسر قتل نہ کر مظلوم ہیں اور بے پدر قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث للہ ہمیں بیچ ڈالے پر قتل نہ کر

آمد ماہ محرم

(۲۳۱)

اے یارو محرم کا مہینہ آیا سر پیٹو غم شاہ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ لوگو احمد کا تباہی میں سفینہ آیا

(۲۳۲)

اے اہل عزا عزا کے دن آپہونچے غم کی راتیں بکا کے دن آپہونچے
فریاد کہ فاطمہ کی بستی اجڑی آبادی کربلا کے دن آپہونچے

اِمام کا کربلا میں داخلہ

(۲۳۳)

کُفار کا لشکر لبِ دریا اُترا جو مالک کوثر تھا الگ جا اُترا

گھوڑے سے جو کربلا میں اُترے شبیرؑ غل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلا اُترا

امام کو لبِ نہر اترنے کی مُمانعت

(۲۳۴)

خیمہ لبِ نہر شہ کو کرنے نہ دیا پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا

پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے دریا پہ مسافر کو اُترنے نہ دیا

شبِ عاشور محرم

(۲۳۵)

شہ کہتے تھے عاشقِ الٰہی ہوں میں ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں

جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینبؑ شبِ قتل واللہ چراغِ صبح گاہی ہوں میں

(۲۳۶)

اے مومنو فاطمہؑ کا پیارا شبیرؑ کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا شبیرؑ

ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سنسان آج اور ہے مہماں تمہارا شبیرؑ

قتلِ حسینؑ کے منصوبے

(۲۳۷)

کہتے تھے لعیں لوٹ میں ریا پائیں گے اسباب شہ جن و بشر پائیں گے

یہ گوہر مقصود ملے گا اُس دم جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

گرمیِ عاشور

(۲۳۸)

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے پھُکتے تھے بدن رنگ بدل جاتے تھے

اللہ ری ہوائے گرمِ روزِ عاشور جب آتی تھی لوں درخت جل جاتے تھے

تشنگی حسینؑ کا فاطمہؑ پر اثر

(۲۳۹)

کہتی تھی بتولؑ آہ یا رب کیا ہے — کچھ خود بخود آج دل مرا ڈرتا ہے
پڑتی ہے گلے میں آب کوثر کی گرہ — شاید مرا شبیرؑ کہیں پیاسا ہے

تشنگی امام حسینؑ

(۲۴۰)

مظلوم نہ شاہ بحر و بر سا ہوگا — مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ — یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

مصائب شہدائے کربلا

(۲۴۱)

عباسؑ کو لطف زندگانی نہ ملا — اکبرؑ کو بھی کچھ حظ جوانی نہ ملا
اس موسم گرما میں غضب ہے یارو — شبیرؑ کو تین روز پانی نہ ملا

شہادت حضرت قاسمؑ ابن حسنؑ

(۲۴۲)

جھک جھک کے تو منہ ابن حسنؑ نے دیکھا — لیکن نہ سکینہؑ کی بہن نے دیکھا
آنسو نکل آئے مگر آنکھیں نہ کھلیں — لاش آئی تو دولہا کو دلہن نے دیکھا

(۲۴۳)

شمعوں کی طرح دولہوں کو جلتے دیکھا — آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا
افسوس کہ میداں میں نبیؐ قاسمؑ نے — دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

(۲۴۴)

دشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ — جاتا نہیں ہرگز دل ناشاد کا داغ
فرماتے تھے رو کے لاش قاسمؑ پہ حسینؑ — اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

(۲۴۵)

قاسمؑ کو عدو نے خون حسنؑ لال کیا — شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا
تابوت پہ حسنؑ کے باپ کے مارے تیر — گھوڑوں کے سموں سے اس کو پامال کیا

شہادت حضرت عباسؑ

(۲۴۶)

خوں بھائیکا شہ کے رو برو بہتا تھا　　پیاسے کا لہو کنار جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ　　دریا تو ادھر ادھر لہو بہتا تھا

(۲۴۷)

شہ کہتے تھے عباسؑ سلامت نہ رہا　　کیا اشک تھمیں کہ دل پہ قابو نہ رہا
یکدست گئی تاب و توان شبیرؑ　　اُس ہاتھ سے کیا ہو جسکا بازو نہ رہا

شہادت علی اکبرؑ و علی اصغرؑ

(۲۴۸)

بانو کہتی تھی ہائے اکبر بیٹے　　غم رہ گیا ہمشکل پیمبر بیٹے
ہو کر جو جوان کیے تم دنیا سے　　گھر میں مرے پالے بھی جی بھر کے بیٹے

شہادتِ علی اصغرؑ

(۲۴۹)

ماں کہتی تھی حسرت سے تمہیں آہ ملی　　تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی
اماں صدقے ہو تم برس دن نہ جیے　　اصغر تمہیں عمر ایسی کوتاہ ملی

دفن علی اصغرؑ

(۲۵۰)

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے　　بس صبر علاجِ دلِ صد پارہ ہے
اصغر کو لٹا کے قبر میں شہ نے کہا　　آرام کرو اب یہی گہوارہ ہے

(۲۵۱)

جوشش تھی تہِ چرخ بریں ہلتی تھی　　ایک ایک صفِ لشکرِ کیں ہلتی تھی
اصغر کو جو بن میں دفن کرتے تھے حسینؑ　　گہوارہ کی مانند زمیں ہلتی تھی

امام حسینؑ کی رخصت

(۲۵۲)

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ
سب کو تو تسلی دئے جاتے تھے مگر زینبؑ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

امام حسینؑ کی بیکسی

(۲۵۳)

کہتی تھی بتول اے مرے پیارے شبیرؑ کس بیکسی سے جاتے ہو مارے شبیرؑ
جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا اب کوئی نہیں پاس تمہارے شبیرؑ

امام حسینؑ کی مظلومی

(۲۵۴)

میدان میں جب حضرتؑ تہ ستم ہوتے تھے زہراؑ و علیؑ اشکوں سے منہ دھوتے تھے
بھائی کیلئے ہوتے تھے شبیرؑ بیتاب سر پیٹ کے محبوب خدا روتے تھے

جنابِ زینبؑ کا استغاثہ

(۲۵۵)

زینبؑ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے — بے جرم سکینہ کو بھی شمر ستاکم ہوتا ہے
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر — سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

امام حسینؑ کی زینبؑ سے محبت

(۲۵۶)

وہ کونسا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہوا — پانی بھی دمِ نزع میسر نہ ہوا
رو دیا کئے زینبؑ کی اسیری پہ حسینؑ — جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہ ہوا

دبیر

زینبؑ بلوے میں ننگے سر پھرتی تھی — ہر سمت شاہ کے نظر پھرتی تھی
تھی چشم کی پتلی صفتِ قبلہ نما — سر پھرتا تھا جس سمت ادھر پھرتی تھی

تشنگی امامؑ وقت قتل

(۲۵۷)

شہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں   کہ رحم پیمبر کا نواسا ہوں میں
کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھکو   اے شمر کئی روز کا پیاسا ہوں میں

شہادت امام حسینؑ

(۲۵۸)

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں   بے شبہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا   بے سر ہوئے شبیرؑ ستم کے دن ہیں

(۲۵۹)

خون میں شہ مظلوم کا سینہ ڈوبا   بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ یارو   خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

امام کی فرض سے سبکدوشی

(۲۶۰)

جب ذبح حسین ذوی الاکرام ہوا
ماتم کا حرم سرا میں کہرام ہوا
آتی تھی یہ شہ کے تن بے سر سے صدا
اب بخشش امت کا سرانجام ہوا

حسین کی امت رسول سے محبت

(۲۶۱)

تلواروں سے جسم شہ دیں چور ہوا
تیروں سے بدن خانۂ زنبور ہوا
ہر چند کہ تھی کمر میں شمشیر دودم
امت کا مگر قتل نہ منظور ہوا

پامال لاشۂ شہدا

(۲۶۲)

جب خاتمہ شاہ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے جانب سینوں پہ
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

(٢٦٣)

جھک گیا سجدے میں سرِ پاکِ حسینؑ　　لُٹ بٹ کے اُٹھ گئی پوشاکِ حسینؑ
فریاد ہے اُمت نے کفن کے بدلے　　پامال کیا پیکرِ صد چاکِ حسینؑ

سیوم شہدائے کربلا

(٢٦٤)

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے　　کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے
چالیسویں تک لٹے رہے مقتل میں　　وہ پھول سوم کو بھی اٹھائے نہ گئے

دسواں

(٢٦٥)

بستِ دہم ماہِ محرم ہے آج　　جس آنکھ کو دیکھئے وہ پُرنم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا　　اُس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

چہلم

(۲۶۶)

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج — ہے سب تہی دیں دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسویں تک گرد اُٹھا لاشہ جس کا — اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

(۲۶۷)

مارے گئے جو وہ سب لعیں دفن ہوئے — زہرا کے ستارے نازنیں دفن ہوئے
عاشورِ محرم کو ہوئے قتل حسین — پر قبر میں بعد اربعیں دفن ہوئے

دبیر

جو مر گئے فی الفور وہ سب دفن ہوئے — اِلّا نہ حسین تشنہ لب دفن ہوئے
عاشور سے چہلم کا تفاوت دیکھو — کب قتل ہوئے حسین کب دفن ہوئے

مراثی دبیر جلد ۲

(۲۶۸)

عریاں سرِ خاتونِ زمن ہے اب تک — ناموس پہ ایذا و محن کیسے ہے اب تک
چہلم کے دن خاک اُڑاؤ یارو — شبیر کی لاش بے کفن ہے اب تک

(۲۶۹)

صدقے ترے اے فاطمہ کے جانی حسین
امت نے عجب دکھ تجھے دکھلائے حسین
عریاں رہی لاش ایک مہینہ دس دن
مر کر نہ کفن تجھکو ملا ہائے حسین

(۲۷۰)

رونے میں یہ رسم جو بسر ہوتا ہے
ہر اشک عزادار اگر گہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر رو لو
اب ماہ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

جسم امامؑ کے زخم

(۲۷۱)

عابد کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے
یہ لاش امام وطن آوارہ ہے
گر جمع کریں نہیں تو قرآں ہو جائے
ہر عضو تن حسین سیپارہ ہے

دفنِ امامِ حسینؑ

(۲۷۲)

جب دفن ہوا شیرِ خدا کا جانی — سجاد نے کی قبر پہ آب افشانی
شبیر کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر — پیتی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

سکینہ بنت امامؑ کے مصائب

(۲۷۳)

کہتی تھی سکینہ گھر کا جلنا دیکھا — ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا
زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے — اس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

اسیری اہلِ حرم

(۲۷۴)

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے — تاریکی سے بیبیوں کے دم بند ہوئے
سر پیٹ کے زینب نے کہا وائے نصیب — بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

آل رسول کے مصائب

(۲۷۵)

اک کہنہ ردا آلِ عبا کو نہ ملی — تربتِ مظلوم کربلا کو نہ ملی
کیا ظلم ہے یا ربِ فلکِ نا انصاف — پانی فرزندِ مصطفیٰ کو نہ ملا

بربادیٔ خانۂ زہرا

(۲۷۶)

دشمن جو یزیدِ بستم ایجاد ہوا — محبوبِ خدا کا باغ برباد ہوا
لکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہرا کا — ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

دبیر

باران سے ہر اک خشک شجر سبز ہوا — جو نخل چھٹا زیادہ تر سبز ہوا
پر باغیوں نے گلشنِ شادابِ بتول — ایسا کاٹا کہ پھر نہ پھر سبز ہوا

غمِ حسینؑ ہر وقت تازہ ہے

(۲۷۷)

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے
ہر فصل میں یہ گلِ خوشبو کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ دُرِ عزا
جب دیکھیے یہ زخمِ کہن تازہ ہے

حضرت عباسؑ کی امام حسینؑ سے محبت

(۲۷۸)

ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
قربان شہ جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علم آگے جب اُٹھتی ہے ضریح
عباسؑ علیؑ سینہ سپر ہیں اب تک

غمِ امامِ حسینؑ

(۲۷۹)

زہرا جو بصد آہ و فغاں پیٹتی ہیں
منھ ہاتھوں سے حوران جناں پیٹتی ہیں
کیا غم ہے کہ نورِ عینِ زہرا کے لئے
سر سنت مژہ سے پتلیاں پیٹتی ہیں

پدر کے غم میں حضرت عابدؑ کا حال

(۲۸۰)

عابدؑ کو سدا باپ کا غم رہتا تھا   داماں مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا

تھیں فرط بکا سے دونوں آنکھیں مجروح   رخسار مبارک پہ ورم رہتا تھا

(۲۸۱)

بن روئے نہ عابدؑ سے رہا جاتا تھا   خطبہ سر منبر نہ پڑھا جاتا تھا

پڑھنے میں اگر لیتے تھے وہ نام حسینؑ   روتے تھے یہاں تک کہ غش آ جاتا تھا

(۲۸۲)

عابدؑ تھے مدام صبح ہوتے روتے   جب جاگتے روتے جب کہ سوتے روتے

چالیس برس شہ کو روئے یاں تک   رخسارے بھی گھل گئے تھے روتے روتے

(۲۸۳)

سجاد حزیں شغل بکا رکھتے ہیں   تر اشکوں سے رخسار سدا رکھتے ہیں

بھر آتا ہے دل دیکھ کے جام پر آب   یاد عطش شاہ ہدا رکھتے ہیں

(٢٨٤)

عابد کو کبھی خوش نہ ہوتے دیکھا — بے گریہ نہ جاگتے نہ سوتے دیکھا
شب سے تا صبح اور سحر سے تا شام — جب کوئی گیا آپ کو روتے دیکھا

(٢٨٥)

تھے زیست سے اپنی ہاتھ دھوئے سجاد — شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجاد
جب تک نہ جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا — چالیس برس باپ کو روئے سجاد

حضرت عابد کا صبر

(٢٨٦)

کیا رنج جفائے اشقیا سے کھینچا — لیکن نہ قدم راہِ رضا سے کھینچا
سردار تھے صابروں کے سجادِ حزیں — کانٹا بھی نہ جھک کر کفِ پا سے کھینچا

(٢٨٧)

سجاد کے چہرے سے تغیری گئی — تھے کل کے اسیر پر فقیری نہ گئی
زنجیر قدم ضعف سے تا بہ سوں تک — آزاد ہوئے پر بھی اسیری نہ گئی

اخلاقیہ

بے ثباتیِ دُنیا و اہلِ دُنیا

پرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے　　ہر گل کو گلہ کمِ اِلتفاتی کا ہے
شبنم جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا　　رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

(۲۸۹)

جس دن کہ فراقِ روح و تن میں ہو گا　　مشکل آنا اُس انجمن میں ہو گا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہنکر غافل　　اِک روز یہی جسم کفن میں ہو گا

(۲۹۰)

طے منزلِ دشتِ محن ہوتی ہے　　فرقت مابینِ روح و تن ہوتی ہے
کیوں نام کفن سن کے لرزتا ہے انیس　　اِک دن یہ قبا زیبِ بدن ہوتی ہے

(۲۹۱)

جو شے ہے فنا اسے بقا سمجھا ہے — جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب — غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

سالگرہ

(۲۹۲)

دل سے طاقت تن سے کس جاتا ہے — آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا — یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

بندِ اجل

(۲۹۳)

کچھ عقل کی میزان میں بھی تولا نہ گیا — جب ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا
عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس — یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

خیام

از جرم حضیض ارض تا اوج زحل
کردم همه مشکلات عالم را حل
بیرون جستم ز بند ہر مکر و حیل
ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

موت تمام مصائب کا خاتمہ کر دیتی ہے

(۲۹۴)

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا
کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیس
جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

خیام

با بط میگفت ماہیے در تب و تاب
باشد کہ بجوئے رفتہ باز آید آب
بط گفت کہ چون من و تو گشتیم کباب
بعد از پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب

دبیر

میں لاکھ کہوں طبع سمجھنے کی نہیں
نافہم سے خو مجھکو الجھنے کی نہیں
ہستی کوتاہ قصہ حرص دراز
بے موت کے گتھی یہ سلجھنے کی نہیں

حیات دبیر

موت سب کیلئے ہے

(۲۹۵)

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لئے
انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لئے

بوڑھا ہو کہ نوجوان غنی ہو کہ فقیر
سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لئے

مرنے کے بعد دوسروں کی محتاجی

(۲۹۶)

وہ تخت کدھر ہیں وہ کہاں تاج ہیں وہ
جو اوج پہ تھے زیر زمیں آج ہیں وہ

قرآن لکھا کئے وقف جو کرتے تھے
اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

دبیر

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا
کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا

برسوں رہا جن کے سر پہ چتر زرّیں
تربت پہ نہ اُن کی شامیانہ دیکھا

حیات دبیر د مبع ثانی

جو پیدا ہوا ہے وہ مرے گا ضرور

(۲۹۷)

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کونسا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں — وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

ہستی ایک خواب ہے

(۲۹۸)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

خیام

با یار چو آرمیدہ باشی ہمہ عمر — لذات جہان چشیدہ باشی ہمہ عمر
ہم آخر عمر رحلتت باید کرد — خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

موت لازمی ہے

(۲۹۹)

اب گرم خبر موت کے آنیکی ہے　　غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا　　آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

کوئی پہلے جاتا ہے کوئی بعد

(۳۰۰)

آلودہ عبث اس غم جانکاہ میں ہے　　زندہ ہے وہ دل جو یاد اللہ میں ہے
اپنی واماندگی سے گھبرانا نہیں　　پہونچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

جو کل ہے وہ آج نہیں

(۳۰۱)

شاہوں کا وہ تخت و علم و تاج نہیں　　یاں کچھ شرف و غنی و محتاج نہیں
حسرت کی جگہ ہے کہ اکثر شاہ　　کل تک انہیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

سب آگے پیچھے چلے جاتے ہیں

(۳۰۲)

غافل ہے وہ جو عاقبت اندیش نہیں وہ کون سا نوش ہے جو بے نیش نہیں
جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے افسوس کہ کچھ تجھکو پس و پیش نہیں

موت گھات میں ہے

(۳۰۳)

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کبتک دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

دنیا میں کوئی نہیں رہیگا

(۳۰۴)

آدم سے کسی وقت تہ افلاک رہے عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے
عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں افسوس نہ جب پنجتن پاک رہے

نوٹ ۔ معمولی تغیر سے یہ رباعی جلد اول مراثی میر ضمیر مرحوم میں بھی موجود ہے۔

(۳۰۵)

آفاق میں مرنے کیلئے جینا ہے — اس زیست کیا حسد ہے کیا کینا ہے
جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ — احوال سکندر کا تو آئینا ہے

عمرِ دراز کا قصور

(۳۰۶)

سینہ میں یہ دم شمعِ سحرگاہی ہے — جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلہ سے ہٹتا نہیں — اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

زادِ سفرِ مرگ

(۳۰۷)

کیوں آج دلا خیالِ فردا نہ کیا — بھولا جو بڑے وقت کو اچھا نہ کیا
پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ نہیں — زادِ سفرِ مرگ مہیا نہ کیا

(۳۰۸)

کچھ پند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی   دنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی
دن رات یہی فکر کہ سامان کر لو   جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

(۳۰۹)

ہے کون جو رنج مرگ سہنے کا نہیں   احوال یہ گو کہ کہنے کا نہیں
آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل   ہشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

(۳۱۰)

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے   پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے   غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

دبیر

گر چاہتا ہے جینے کی خاطر مرنا   ہو کر شۂ مظلوم کا ذاکر مرنا
کوئی بھی رہا ہے درمیان دنیا   اول مرنا دبیر آخر مرنا

حیات دبیر

پیری

(۳۱۱)

پیری آئی عذار بے نور ہوئے   یاران شباب پاس سے دور ہوئے
لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت انیس   جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

(۳۱۲)

راتیں نہ وہ اب ہونگی نہ خواب آئے گا   آیا بھی تو زیست کو جواب آئے گا
اٹھو اب انتظار کس کا ہے انیس   نہ عمر پھرے گی نہ شباب آئے گا

عصائے پیری

(۳۱۳)

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پردا ہے یہی   منزل ہے یہی بشر کا ماوا ہے یہی
انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا   اے پیر زمیں گیر تری جا ہے یہی

ایضاً

کس خواب میں زندگی بسر کرتا ہے | کس فکر میں شام کو سحر کرتا ہے
طالع ہوئی صبح بج گیا کوس رحیل | بیدار ہو قافلہ سفر کرتا ہے

حیات دبیر

صبح پیری

(۳۱۸)

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی | مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی
روتے ہو انیس کیا جوانی کیلئے | پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

زوالِ آفتابِ عمر

(۳۱۹)

اب زیرِ قدم لحد کا باب آ پہونچا | ہشیار ہو جلد وقتِ خواب آ پہونچا
پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیس | ہنگام غروبِ آفتاب آ پہونچا

دبیر

برزخ کی صعوبات کٹے گی کیونکر | تنہائی میں اوقات کٹے گی کیونکر
غفلت میں دبیر صبح پیری ہوئی شام | دن رات ہوا رات کٹے گی کیونکر

سبع مثانی

نفس کی آمد و شد

(۳۲۰)

دو دن کی حیات کی عبث غرہ ہے
خورشید بن خاک کا تو ذرہ ہے
مردم کے نہال زندگانی کے لئے
یہ آمد شد دم کی نہیں ارہ ہے

منزل قبر

(۳۲۱)

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے
لے زاد سفر کوچ کی تیاری ہے
مر مر کے پہونچتے ہیں مسافر داں تک
یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

خفتگان لحد کا حال معلوم نہیں.

(۳۲۲)

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری
کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری
اے کنج لحد کے سونے والو افسوس
کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

خیام

افسوس کہ سرمایہ زکف بیرون شد ۔۔۔ در دست اجل بسے جگرہا خون شد

کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو ۔۔۔ کاحوال مسافران عالم چوں شد

قفس لحد

(۳۲۳)

اس ملک سے دنیا کی ہوس میں آئے ۔۔۔ اب جائیں کہاں اجل کے بس میں آئے

مر کر نکلے تو کنج مرقد پایا ۔۔۔ جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

زمین کا پیار

(۳۲۴)

محبوب کو ہمکنار بھی دیکھ لیا ۔۔۔ تربت دیکھی فشار بھی دیکھ لیا

نیلے گہرے آسماں کے شاکی تھے بہت ۔۔۔ صد شکر زمیں کا پیار بھی دیکھ لیا

شبِ قبر

(٣٢٥)

دردوالمِ ممات کیونکر گزرے   یہ چند نفسِ حیات کیونکر گزرے
مرنے کا تو دن گزر گیا یہ شکر نہیں   اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گزرے

الفتِ قبر

(٣٢٦)

ہر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے   رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر   میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

دبیر

گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو   ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں کی تیری تلاش   جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

ایضاً

مرکر بھی نہ چین زیرِ افلاک ملا — اک تارِ کفن نہ گرد سے پاک ملا
اے خانہ خراب قبر تیری خاطر — کھویا بھی جو نقدِ جاں تو کیا خاک ملا[1]

حیاتِ دبیر

گوشۂ لحد

(۴۲۷)

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے — آنکھیں جو ہیں بند عینِ بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا نہ کسی دشمن کا — مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

گوشۂ لحد

(۴۲۸)

آغوش لحد میں جبکہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئیگا انیس — ہم ہونگے اور قبر کا کونا ہوگا

---

[1] یہ رباعی معمولی تغیر سے جلد مراثی میر مونس مرحوم میں بھی موجود ہے۔

خوابِ لحد

(۳۲۹)

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا — میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس — کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

بسترِ قبر

(۳۳۰)

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا — گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا
بارش سحر و کا رستے سے غرض — اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

دبیر

اک دن پیوندِ خاک ہونا ہوگا — تنہا تنہا لحد میں سونا ہوگا
اس قبر کے بستر پہ دیکھا کھلا حال دبیر — جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

سبع مثانی

رفیقِ لحد

(۳۳۱)

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا　　　یارو کیا ہی مقام حسرت ہوگا
کوئی عمل نیک نہ ہوگا جز یاسین　　　آخر کو وہی رفیق تربت ہوگا

راہِ بہشت

(۳۳۲)

دل سے دنیا کے دو لوٹے جاتے ہیں　　　اک آنہیں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیس　　　بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

مذمتِ دنیا

(۳۳۳)

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے　　　دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
اک چشم میں کس طرح سمائیں دو نو　　　غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

دبیر

آج آئے ہیں کل کوچ کی تیاری ہے
غفلت میں کٹی عمر یہ ہشیاری ہے

دنیا ہے عجب مقام حیرت نہ کھلا
یہ عالم خواب ہے کہ بیداری ہے

سبع شانی

نشیب و فراز دنیا

(۳۳۴)

جز غم کوئی جنس یاں نہ سستی دیکھی
پایا اسے ویران جو بستی دیکھی

جو فیل نشین تھے کل پیادہ ہیں وہ آج
دنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

دنیا مرقع شادی و غم ہے

(۳۳۵)

ویران ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے
راحت ہے کوئی اور کوئی فریادی ہے

اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا
ماتم ہے کہیں جا تو کہیں شادی ہے

دنیا کارواں سرا ہے

(۳۳۶)

کیا سوچ کے اس دار فنا میں آئے — آفت میں پھنسے دام بلا میں آئے
اس طرح عدم سے آئے دنیا میں انیس — جیسے کوئی کارواں سرا میں آئے

راحت دنیا میں ممکن نہیں

(۳۳۷)

فردوس سراک قبر کا کونا ہوگا — مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا
راحت دنیا میں کس نے پائی ہے انیس — آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

آئینہ ظاہر کی صورت گری کرتا ہے

(۳۳۸)

دنیا سے رہائی ہو یہ خیال نہیں — چھوٹے بھی جو مرکر تو پر و بال نہیں
ظاہر بینوں کو کیا خبر باطن کی — آئینہ میں عکس صورت حال نہیں

دُنیا میں بجز نقصان کچھ حاصل نہیں

(۳۳۹)

دِل میں غمِ یارانِ وطن لے کے چلے
اِس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے

نقصان کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل آہ
جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

دنیا کی زحمتوں کا علاج موت ہے

(۳۴۰)

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے

مشہور علاج دردِ سر ہے صندل
یاں خاک لحد صندلِ پیشانی ہے

دُنیا میں خاک کے سوا کچھ نہیں

(۳۴۱)

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے
پر ایک نصیب کس کو خوش حالی ہے

ہے چرخِ کہن شیشۂ ساعت گویا
ہے خاک اِدھر اور اُدھر خالی ہے

تنگیٔ دُنیا

(۳۴۲)

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے ۔ پیری میں بہ شکل نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر ۔ پُر خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

بے وفائی دُنیا

(۳۴۳)

مائل نہیں طبع پاک اس دُنیا پر ۔ مردم ہیں عبث ہلاک اس دُنیا پر
فرزند ابو تراب محتاج لحد ۔ تُف اس دُنیا پہ خاک اس دُنیا پر

دُنیا کا حال کسی کو معلوم نہیں

(۳۴۴)

آنکھیں کھولیں مگر یہ پردا نہ کھلا ۔ سب ہم پہ کھلا یہ حال دُنیا نہ کھلا
دریائے تفکر میں رہے غرق ۔ مانند حباب یہ معمّا نہ کھلا

دُنیا گو مگو ہے

(۳۴۵)

لالے سے عیاں بہار سرخوشی ہے　　نرگس کو جو دیکھئے تو مدہوشی ہے
کیسی یہ گومگو ہے اے ربِّ کلیم　　بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

دُنیا سے کچھ ساتھ نہیں جاتا

(۳۴۶)

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے　　یاران وطن پھر نہ وطن ملتا ہے
اسباب جہاں سے دیکھ تو اے غافل　　مٹی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

دُنیا ایک دام ہے

(۳۴۷)

دُنیا کو نہ جانو کہ دلآرام ہے یہ　　اے پختہ مزاج طمع خام ہے یہ
ہاں سوچ کے پاؤں اس میں رکھو　　چھٹتا نہیں پھنس کے جس میں وہ دام ہے یہ

بداعمالی پر ندامت

(۳۵۴)

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا　　عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سرانجام کیا
ناکام چلے جہاں سے افسوس ہمیں　　کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

توبہ

(۳۵۵)

عصیاں سے ہوں شرمسار توبہ یارب　　کرتا ہوں میں بار بار توبہ یارب
نہ جرم کا پایاں نہ گناہوں کا شمار　　اک توبہ کیا ہزار توبہ یارب

گریۂ ندامت

(۳۵۶)

جب دیکھینگی احوالِ قیامت آنکھیں　　کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں
چلتی ہے زباں دہن میں کچھ عذر تو کر　　رو لے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

انفعال

(۳۵۷)

افسوس یہاں سے نہ سبکبار چلے — ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے

دنیا میں تو بیگناہ آئے وا انیسؔ — یہ کیا ہے کہ عقبیٰ میں گنہگار چلے

آخرت سے بیخبری پر پشیمانی

(۳۵۸)

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے — غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے

یہ بے خبری ہزار افسوس انیسؔ — بڑھتے ہیں گنہ عمر گھٹی جاتی ہے

پیری میں آخرت سے بیخبری

(۳۵۹)

عقبیٰ کے ہر اک کام سے ناکام ہے تو — اس وقت میں بھی طالب آرام ہے تو

اے وائے انیسؔ پختہ کاری پہ یہی — سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

مرنے کے بعد اعمال ساتھ جاتے ہیں

(٣٦٠)

کیا کیا دنیا سے صاحب اقبال گئے　　دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا نکے لحد تک پھر آئے سب دوست　　ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

سیاہی قلب

(٣٦١)

ہے مملکت جسم میں شاہی دل کی　　کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے مو سپیدی کر لے　　پہلے دھو لے ذرا سیاہی دل کی

ایضاً

(٣٦٢)

تا چرخ فغان صبحگاہی نہ گئی　　جی سے کبھی گرد تباہی نہ گئی
سب ریش سپید ہو گئی آہ ابھی　　پر اک سر مو دل کی سیاہی نہ گئی

ایضاً

(۳۶۳)

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں

نافہ کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالو پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

کدورتِ قلب

(۳۶۴)

گر ہاتھ میں زر نہیں تو کچھ باک نہیں
موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں

کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا
یاں گردِ کدورت کے سوا خاک نہیں

ایضاً

(۳۶۵)

لعنت ہے نہ پابند ربط دیرینہ ہے
منہ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے

گر کیجے امتحان تو قلعی کھل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

اس زمانہ میں کوئی فارغ البال نہیں

(۳۶۶)

انساں ہی کچھ اس زمیں پہ پامال نہیں — سچ ہے کوئی آسودہ و خوشحال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوف صیاد — مرغان چمن بھی فارغ البال نہیں

مذمت زمانہ

(۳۶۷)

کس بات میں کید کس میں تزویر نہیں — جز حرف غلط زبان پہ تقریر نہیں
اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج — یہ سطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

انصاف کی نایابی

(۳۶۸)

کچھ فرق کلام کہنہ و نو میں نہیں — منصف ڈھونڈو تو ایک بھی سو میں نہیں
تھا یوں نہ کبھی گوہر مضموں بے قدر — انصاف فلک تیری قلمرو میں نہیں

انتخابِ احباب

(۳۶۹)

نافہم سے کب داد سخن لیتا ہوں — دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں کا رنگ سے — کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

دوستوں سے مایوسی

(۳۷۰)

احباب سے امید ہے بیجا مجھکو — امید عطائے حق ہے زیبا مجھکو
کیا ان سے توقع کہ میانِ مرقد — چھوڑ آئیں گے اک روز یہ تنہا مجھکو

ایضاً

(۳۷۱)

مال و زر و ہنر و حشم ملتا ہے — ممکن ہے نگین طبل و علم ملتا ہے
عنقا گوگرد سرخ پارس اکسیر — یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

ایضاً

(۳۷۲)

افسوس کہ چین مصطفیٰ کو نہ ملے
آرام علی مرتضیٰ کو نہ ملے

ہم لوگ کسی شے کیا توقع رکھیں
راحت بندوں نے جب خدا کو نہ ملے

دبیر

بلبل یہ زمانہ ایک گل کا نہ ہوا
محکوم آئمہ و رسل کا نہ ہوا

بندوں کو عبث خیال یکتائی ہے
اللہ پر اتفاق کل کا نہ ہوا

المیزان

ضعف پیری

(۳۷۳)

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا
اے عمر دراز خوب سن دکھلایا

ہلتا ہے جو سر تو کہتے ہیں موئے سپید
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

ایضاً

(۳۷۴)

جب تک ہے جواں سبزۂ نظارہ ہے پیری تئیں ہے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے
جھک جائے سوئے زمیں کیونکر قدِ راست اک برج پہ یہ خاک کا پشتارہ ہے

ایضاً

(۳۷۵)

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے ہر موئے بدن بلال ہو جاتا ہے
دنیا میں عروج کو بھی اک دن ہے زوال جب بدر گھٹا ہلال ہو جاتا ہے

ایضاً

(۳۷۶)

مجموعۂ خاطراں دنوں تن ابتر جو رگ ہے بدن کی رشتۂ مسطر ہے
معنی سے بھرا ہوا ہے دل شکل کتاب کیا غم ہے جو تن مثل قلم لاغر ہے

جو کچھ کرنا ہے جوانی میں کر لو

(۳۷۷)

جب اُٹھ گیا سایہ جوانی سر سے ــــــ پھر ہو گی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیسؔ ــــــ جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

دُنیا سے رہائی

(۳۷۸)

گھر چھوڑ کے بہر جستجو نکلیں گے ــــــ اس باغِ جہاں سے مثلِ بو نکلیں گے
اب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورتِ دلو ــــــ پر جب نکلے یہ آبرو نکلیں گے

نفسِ امّارہ

(۳۷۹)

برباد کیا ہے طبعِ آوارہ نے ــــــ ٹکڑے یار کھا ہے قلبِ صد پارہ نے
شیطاں کی نہ کچھ خطا نہ قسمت کا قصور ــــــ مارا مجھے آہ نفسِ امّارہ نے

مذمت اہل سفل

(۳۸۰)

کب غنچہ کی گلجھڑی صبا نے کھولی
مشکل جو پڑی عقدہ کشا نے کھولی
امید کشود کار اہل سفل سے نہ رکھ
کس روز گرہ ناخن پا نے کھولی

مذمت نادان

(۳۸۱)

جو صاحب فہم ہے وہی انساں ہے
دانا کے لئے فروتنی شایاں ہے
جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا
نادان کو اگر قلب کرو نادان ہے

تربیت نا اہل

(۳۸۲)

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے
روشن ہوں نہ کیوں قلب سوا بینا کے
نا اہل کے سامنے ہو یوں نیکی و پند
جس طرح چراغ آگے نابینا کے

مذمتِ کبر و غرور

(۳۸۳)

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے　　آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں انیسؔ　　اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

ایضاً

(۳۸۴)

انسوس نہ عصیان تباہی دے گی　　کی خوب انہیں خیر خواہی دے گی
نازاں ہوئے تم بہن کے پوشاک سفید　　بڑھتی گئی دن رات سیاہی دے گی

ایضاً

(۳۸۵)

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو　　یہ غرور نہ ہو صاحب ادراک ہے تو
بالفرض گر آسمان سے اونچا ہے مقام　　انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

خود ستائی کی مذمت

(۳۸۶)

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے   وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی   جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

دبیر

گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے   وہ داد عطیۂ خدا دیتا ہے

خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی   دریا میں ہیں موتی، وہ صدا دیتا ہے

حیات دبیر: سبع ثانی

مذمت حرص و ہوس

(۳۸۷)

کیوں زر کی ہوس میں دربدر پھرتا ہے   جانا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے

اللہ ری پیری میں ہوس دنیا کی   تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ایضاً

(۳۸۸)

یہ حرص جو لیکے جا بجا پھرتی ہے　　پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق　　یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

ایضاً

(۳۸۹)

اے آہ ترا اثر نہ دیکھا ہم نے　　حسرت ہے کدھر کدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا نخلِ ہوس کی شاخیں نکلیں　　لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

مذمتِ سوال

(۳۹۰)

برباد گراں جنسِ سخن کو بے تول نہ کر　　تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک نان سے انیسؔ دستِ دہانِ سوال　　خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

مذمتِ دولت

(۳۹۱)

اندیشہ میں دن تمام ہو جاتا ہے
زندان گہر وقت شام ہو جاتا ہے

زردار سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے

مذمّتِ تُند خُو

(۳۹۲)

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں

پاتا نہیں تُند خو کدُورت کے سِوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

کمال کے بعد سرسبزی حاصل ہوتی ہے

(۳۹۳)

کس مُنھ سے کہوں میں کہ خوش انجام ہے تو
کامل ہیں کامیاب ناکام ہے تو

پختہ دانہ زمیں سے اُگتا ہے امیںؔ
سرسبز ہو کیونکر کہ ابھی خام ہے تو

زحمت کے بعد شہرت حاصل ہوتی ہے

(۳۹۴)

جو سوختن سے خوشہ چیں ہوتا ہے — دانائے جہاں وہ نکتہ بیں ہوتا ہے
ملتا نہیں نام نیک بے کاہش جاں — کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

بحر عالم میں انسان کی نجات کا ذریعہ

(۳۹۵)

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے — مانند حباب ہستی انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مراد — سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

دبیر

دنیا زندان ہے جائے آرام نہیں — گہوارہ بجز گردش ایام نہیں
آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کی طرح — جبکی جو پایا ہے صبح نہیں شام نہیں

۱؎ حیات دبیر میں رباعی متذکرہ بالا کے مقابلہ کی یہ رباعی دی ہے یہ بھی خیال ہے اس رباعی کا مفہوم حضرت انیس اس سے مختلف ہے۔

مدحِ فقر و استغنا

(۳۹۶)

دولت نہ عطا کر نہ جہاں میں زر دے ۔۔۔ جو باعثِ آبرو ہے وہ گوہر دے
شاہوں کو نصیب بحر و بر کی تحصیل ۔۔۔ یا رب مجھے نانِ خشک و چشمِ تر دے

ایضاً

(۳۹۷)

دولت کا مری خیال آتا ہی نہیں ۔۔۔ وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغرِ استغنا سے ۔۔۔ آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

ایضاً

(۳۹۸)

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے ۔۔۔ یہ دلقِ مرقع امیر کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو دولتِ فقر ۔۔۔ برسوں ڈھونڈھتے تو بادشا کو نہ ملے

ایضاً

(۳۹۹)

وہ صبر مرا وہ بردباری تیری   بھولیگی نہ مجھکو مرکے یاری تیری

اللہ تو نہی سب کی بنا ہے اے فقر   جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

مدح قناعت

(۴۰۰)

ہر صبح کو دوڑ کر کدھر جاتا ہے   کچھ گوہر عزت کا بھی دھیان آتا ہے

جب ضامن روزی ہے خداوند کریم   پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

ایضاً

(۴۰۱)

حاصل ہو قناعت تو تو انگر ہو جائیں   گر زر کی ہوس نہ ہو تو بوذر ہو جائیں

نوابی و شاہی نہیں درکار ہمیں   گر سدِ رمق ملے سکندر ہو جائیں

دبیر

جو قیصر کرے جس کو قیصر وہ ہے | بیکس ہے جسے حق پہ تو انگر وہ ہے
آئینہ سکندر نے بنایا تو کیا | دل جس کا ہے آئینہ سکندر وہ ہے

المیزان

تواضع وخاکساری

(۴۰۲)

دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے | غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے
گردوں کو اگر ہے سرکشی کا غرہ | ہمکو بھی غرور خاکساری کا ہے

ایضاً

(۴۰۳)

پستی میں ہے لطف ارجمندی مجھکو | بھاتا نہیں عیب خود پسندی مجھکو
عریاں ہوں لباس عاریت سے جوں سرو | ہے خاک نشینی میں بلندی مجھکو

ایضاً

(۴۰۴)

انجام یہ اپنے آہ و زاری کر تو ۔۔۔ سختی بھی جو ہو تو بردباری کر تو
پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھکو ۔۔۔ بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

ایضاً

(۴۰۵)

دل کو آرام بیقراری سے ملا ۔۔۔ سینہ کو سرور آہ و زاری سے ملا
گلزار جہاں میں سرفرازی پائی ۔۔۔ یہ پھل مجھے نخل خاکساری سے ملا

دبیر

بندہ پہ کرم حضرت باری کا ہے ۔۔۔ مقدور کسے شکر گذاری کا ہے
دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھکو ۔۔۔ ثمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے

عجز و انکسار

(۴۰۶)

خلق و تعظیم دولت دینی ہے — ہر عیب کا عیب خود بینی ہے
ہوتی ہے گنہگار کی توبہ بھی قبول — خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

پیری اور انکسار

(۴۰۷)

خود ڈھونڈ کے پیش اہل و اں جاتا ہوں — غنچہ کی طرح ہوا سے کھل جاتا ہوں
پیری نے نہال بار ور مجھ کو کیا — ہر اک سے میں آپ جھک کے مل جاتا ہوں

ملائمت و نرمی

(۴۰۸)

اندوہ و الم سے کب جان بچتی ہے — نہ قلب نہ روح ناتوان بچتی ہے
یوں سنگدلوں میں رہ کے جان اپنی بچا — جس طرح کہ دانتوں میں زبان بچتی ہے

ایضاً

(۴۰۹)

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے	جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے
نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں	دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

گوشہ نشینی

(۴۱۰)

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح	ہر ایک سے جھک قوس خمیدہ کی طرح
منظور نظر ہے جو حفاظت اپنی	ہو گوشہ نشین مردم دیدہ کی طرح

ایضاً

(۴۱۱)

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا	برسوں نہ کبھی روز فراغت دیکھا
راحت کا مکاں اس کا گھر خانۂ عیش	دیکھا تو جہان میں کنج عزلت دیکھا

ایضاً

(۴۱۲)

ہاں دولتِ فقرِ مصطفیٰؐ دیویں گے
توقیر و شرفِ شیرِ خدا دیویں نے گے

ہوگا جو گوشہ گیر مثلِ ابرو
مردم آنکھوں پہ تجھکو جا دیویں گے

عیب پوشی

(۴۱۳)

کہدے کوئی عیب جو سرگوشی میں
ڈھنپ جاتے ہیں عیب خطا پوشی میں

دامن ہے چراغِ فکر کو جنبشِ لب
یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

دبیر

جو اہلِ ہنر کا عیب جو ہوتا ہے
بد اُن کا ہر اک فعل بکو ہوتا ہے

جب نقص زر و سیم وہ کرتا ہے عیاں
خود سنگِ محک سیاہ رو ہوتا ہے

خاموشی

(۴۱۴)

مداحِ شہِ یثربؑ و بطحا ہم ہیں
ہر عیب و غرور سے مبرا ہم ہیں
گو دل میں ہزاروں دُرِ مضموں ہیں مگر
خاموش بسانِ لبِ دریا ہم ہیں

عزتِ نفس

(۴۱۵)

عزت رہے یارو آشنا کے آگے
محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہِ مولا میں چلیں
یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

دبیر

قطرے کو رہین بحر مواج نہ کر
شرمندۂ اہلِ دولت و تاج نہ کر
یا رب قسم روحِ یداللہ تجھے
اس ہاتھ کو اس ہاتھ کا محتاج نہ کر

حیاتِ دبیر

محبت

(۴۱۶)

برعکس ہے گر خاک میں مل مل جائے | اس طرح ملے بشر کہ دل مل جائے
الفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے اثر | جنگل کا جو وحشی ہو تو ہل مل جائے

اتحاد کی نایابی

(۴۱۷)

ان آنکھوں سے خوب لطف عالم دیکھا | مردم میں نہ اتفاق باہم دیکھا
سمجھے کہ خلاف رسم عالم ہے انیسؔ | جب مردم کسی بادام کو توام دیکھا

مدح سخن

(۴۱۸)

انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے | سر تا پا چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن تو بتلائیے پھر | کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

تادمِ مرگ فکرِ سخن کرنا چاہیے

(۴۱۹)

ہشیار ہے سب باخبر ہے جب تک بیدار رہے عالم یہ نظر ہے جب تک
پیدا ہے صریر کلک سے یہ آواز کر فکر سخن زبان تر ہے جب تک

سخن کی قدر سخن فہم کر سکتا ہے

(۴۲۰)

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو ذی فہم سے لطف نکتہ دانی پوچھو
توقیر کلام حق سمجھتا ہے کلیم موسیٰ سے مزۂ لن ترانی پوچھو

اہل سخن کو طرار ہونا چاہیے

(۴۲۱)

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لئے جرأت اچھی ہے کج کلاہی کے لئے
لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زبان تلوار ضرور ہے سپاہی کے لئے

خوبیاں خود ظاہر ہوتی ہیں

(۴۲۲)

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے — نادان یہ کسے فریب تو دیتا ہے
لازم نہیں اپنے منھ سے تعریف امین — خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

ایضاً

(۴۲۳)

کس منھ سے کہوں لائقِ تحسین ہوں میں — کیا لطف جو گل کہے کہ رنگین ہوں میں
ہوتی ہے حلاوتِ سخن خود ظاہر — کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں ہوں میں

دبیر

شیریں سخنی پہ موردِ تحسیں ہوں — واللہ نہ عیب میں نہ نکتہ چیں ہوں
سکتہ میں ہے میرے سخنِ شیریں سے — شکر کا ہے کیا منھ جو کہے شیریں ہوں

سبع مثانی

دشمن کو بھی نہ ستاؤ

(۴۲۴)

مٹی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر ہر بات پہ معترض ہو جنگ نہ کر

ہنستا رہ اگر ہے جا دلوں میں اے دوست بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دلتنگ نہ کر

کسی کو ذلیل نہ سمجھو

(۴۲۵)

عاجز نہ کسی بشر کو اصلاً سمجھے نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے

ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلیٰ سمجھے

تمیز نیک و بد

(۴۲۶)

ہر وقت زمانہ کا ستم سہتے ہیں حاسد جو برا کہے تو چپ رہتے ہیں

جو نیک ہیں وہ بدوں کو بھی کہتے ہیں نیک جو بد ہیں وہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

ذاتیہ

امام حسینؑ کی مدح پر مباہات

(۴۲۷ - ۴۸۹)

شہرۂ شہر سو مجھ خوش کلامی کا ہے باعث مدح امام نامی کا ہے
میں کیا آواز کیسی پڑ ھنا کیسا آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

بعد مرگ بھی قطع سخن نہ ہوگا

(۴۲۸)

رتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا مداحِ شبیر ہے جو ہر سر میرا
ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطع سخن خامہ کی طرح اگر کٹے سر میرا

پیشین گوئی

(۴۲۹)

ہاں بعد فنا سخن نشان ہے میرا دنیا میں یہ باغ بے خزاں ہے میرا
تا حشر رہیگا نام اس سے روشن ہر شعر چراغ دودماں ہے میرا

اپنی زبان پر ناز

(۴۳۰)

بے جا نہیں مدحِ شہ میں غرّا میرا — بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا
مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا — مر جاتے ہیں سن کے سوزمرّا میرا

ایضاً •

(۴۳۱)

ہم سے کوئی اہلِ کبر غرّا تو کرے — ہر عیب سے آپ کو مبرّا تو کرے
کیا فاختہ بجھیگی بھلا بلبل سے — صاف اپنا وہ پہلے وزمرّا تو کرے

خوش فکری

(۴۳۲)

مملوِ دُرِ معنی ہے مرا سینہ ہے — دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے
جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے — گویا یہ زبان کلیدِ گنجینہ ہے

طبیعت کی روانی

(۴۳۳)

کیا کیا نہ چڑھا نظر پہ کیا کیا اُترا پر نشہ نہ الفتِ علیؑ کا اُترا
جب جوش پہ آ کے تھم گئی طبع انیسؔ ثابت ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

مضمون آفرینی

(۴۳۴)

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں مانندِ نگہ بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں مرغِ معانی بچ کر کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

دُرّ ریزی

(۴۳۵)

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے
گرتے جاتے ہیں تیری دندانِ انیسؔ تا حال زباں کو شوقِ دُر ریزی ہے

نکتہ دانی

(۴۳۶)

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے
غرّہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے

خالِ رخِ اکبر کی جو کی ہے توصیف
دعویٰ ہم کو بھی نکتہ دانی کا ہے

فخریہ

(۴۳۷)

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے
عطرِ عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے

یاد آئے نسیمِ زلف ہمشکل ہوں
آہو کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

ایضاً

(۴۳۸)

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے
اک نعرۂ آفریں و تحسیں ہو جائے

جھڑتے ہیں دہن سے پھول لفظوں کے عوض
یاں آئے سخن چیں بھی تو گلچیں ہو جائے

دبیر

ہاں بلبل سدرہ شور تحسین ہو جائے
وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگین ہو جائے

ہیں نقطے ہوں پھول لفظ طوبیٰ مصرعے
فردوسی اگر آئے تو گلچین ہو جائے

حیات دبیر

ایضاً

(۴۳۹)

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے
انداز فغان مجھ سے فغانی سیکھے

رونا مری آنکھوں نے کرے حاصل اب
دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

ایضاً

(۴۴۰)

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں

میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منہ جو زبان بند کروں

دبیر

شیران مضامیں کو کہاں بند کروں ‌ کیا طبع کا دریائے رواں بند کروں
خلاق مضامیں تو سبھی ہیں لیکن ‌ کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں
سبع مثانی

ایضاً

(۴۴۱)

مشکِ ختنِ نظم کہاں بند کروں ‌ مہکے گا یہ آپ اسکو جہاں بند کروں
ہیں نافہ کشائے سخن اس بزم کے لوگ ‌ دل انکے کھلیں کب جو زباں بند کروں

ایضاً

(۴۴۲)

میزانِ سخن سنج میں تلتا ہوں میں ‌ فکرِ گہرِ نظم میں گھلتا ہوں میں
دل رہتا ہے بند قفلِ ابجد کی طرح ‌ جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

باہمہ و بے ہمہ

(۴۴۳)

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے — بیگانہ و آشنا ہیں بارے سب سے
دریا سے ملے ہوئے ہیں مثل ساحل — پھر دیکھئے گر تو ہیں کنارے سب سے

ایضاً

(۴۴۴)

تابانِ فلکِ سخن کے تارے ہم ہیں — ممتاز ہی شعر سے بارے ہم ہیں
ہر چند ہے حسنِ سخن اپنا موقوف — پر قافیہ کی طرح کنارے ہم ہیں

فخریہ

(۴۴۵)

لفظوں میں نمک سخن میں شیرینی ہے — دعوائے ہنر نہ عیب خود بینی ہے
مثل گل گلشن ہستی ہم ہیں — غنچہ کی طرح زباں میں رنگینی ہے

ایضاً

(۴۴۶)

نہ مدح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے باتوں میں اثر زباں میں رنگینی ہے
شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

ایضاً

(۴۴۷)

پروا تیغ زباں کو سجنے کی نہیں حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دُر بار ہے ابر طبع لیکن ہوں خموش عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

ایضاً

(۴۴۸)

کانپا نہ جگر نہ دل نہ چہرا اُترا کس بحر میں بے خوف و خطر جا اُترا
ساحل پہ نہ جب کے ٹھہرے یاروں کے قدم دو ہاتھ لگا کے میں وہ دریا اُترا

لہ گویائی ۱۲

ایضًا

(۴۴۹)

مضموں نہیں کا نہ چرا اترا　　اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اترا
نقاش نے سوطرح کی خفت کھینچی　　تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

تاثیر کلام

(۴۵۰)

کٹ جاتے ہیں خود نک چلنے والے　　کب تھمتے ہیں جو اشک میں ڈھلنے والے
اللہ ری ترے سخن کی تاثیر انیس　　رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

دزدان مضامین

(۴۵۱)

کس دن مضموں نو کا نقشا اترا　　ہر دزد مضامیں کا نہ چہرا اترا
منبر سے ہم اترے نئے مضموں پڑھکر　　انکے لئے گویا من و سلوی اترا

ایضاً

(۴۵۲)

کب دزد سے دولتِ ہنر بچتی ہے
لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے
ممکن نہیں دزدانِ مضامیں سے نجات
سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

حاسدوں کی شکایت

(۴۵۳)

راحت کیا حاسدوں کو حاصل ہوتی
لذّتِ دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی
اس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے
دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

ایضاً

(۴۵۴)

رونق دہ بزمِ خوش بیانی ہم ہیں
رشکِ گلِ باغِ نکتہ دانی ہم ہیں
فیضِ غمِ شاہِ بحر و بر سے لاریب
دشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

ایضاً

(۴۵۵)

اعلیٰ سے نہوگا کبھی ادنا بھاری — کھل جاتا ہے فیصلہ یہ ہلکا بھاری
حاسد سرکش ہے اور میں افتادہ خاک — اب دیکھئے ہے کونسا پلّا بھاری

ایضاً

(۴۵۶)

مضمون گوہر ہیں اور صدف سینا ہے — ہے صاف تو کہہ قلب بے کینا ہے
آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا ہیں — ہم اسکو نظر آئینگے جو بینا ہے

حسرت

(۴۵۷)

ہر اوج کو ایک روز پستی ہوگی — اپنی کسی ویرانہ میں بستی ہوگی
ہے کون جو مینھ اشکونکا برسائیگا — حسرت مری تربت پہ برستی ہوگی

تنگدستی

(۴۵۸)

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے   دم بھر نہ ہوئے ایک کہنے سننے کے لیے
محتاج کے محتاج اسی طرح رہے   پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کیلئے

مصائبِ زیست

(۴۵۹)

تکیہ پہ نہ سر ہے نہ بدن بستر پر   اِس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر
ہر وقت ہے فکرِ نان و اندوہِ لباس   کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

ایضاً

(۴۶۰)

کس طرح یہ تلخ زندگانی ہو جائے   پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے
اس دم جو شریکِ درد ہووے میرا   خورشید کا رنگ زعفرانی ہو جائے

ایضاً

(۴۶۱)

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے — اندیشہ و اضطراب دن رات کا ہے
تنہا میں، فلک کج، یہ خلقت دشمن — ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

ایضاً

(۴۶۲)

کس دن فرسِ خامہ تگ و دو میں نہیں — مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو میں نہیں
ہر چند کہ ہوں خسروِ اقلیمِ سخن — پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

بدقسمتی

(۴۶۳)

راحت کا مزہ عدوئے جانی نکلا — دل سے نہ کبھی غمِ نہانی نکلا
پیاسے رہے آ کے چاہِ دنیا پہ انیس — نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

دبیر

کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا
باقی سامان عیش فانی نکلا

چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں نہالے دبیر
اتنا بھی نہ اس کنوئیں میں پانی نکلا

نسخ ثانی

ایضاً

(۴۶۴)

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے

موسیٰ کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر
قسمت سے مری عزن عیسیٰ ہو جائے

بد قسمتی

(۴۶۵)

فرصت نہ کبھی چشم کو اک پل بھر دوں
ہو جائیں پہاڑ غرق جنگل بھر دوں

کیا ابر مقابلہ کرے گا میرا
دم بھر رووں اگر تو جل تھل بھر دوں

ایضاً

(۴۶۶)

بخشش کیلئے مرثیہ خوانی ہے مری
غم کے لئے پیری و جوانی ہے مری

رونا ہے کبھی اور کبھی آہیں کرنا
اس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

پردۂ عریانی

(۴۶۷)

کیا حال کہیں دل کی پریشانی کا
کھائی کبھی نہ لذتِ شہ مزا بانی کا

مر رہیے کسی دشت کے دامن میں بسا
پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

خانہ بربادی

(۴۶۸)

گو صورتِ دریا ہمہ تن جوش ہوں میں
لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں

کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا
مانندِ حباب خانہ بردوش ہوں میں

کساد بازاری

(۴۶۹)

کس جسم پہ بل کروں کہ شہرۂ ہوں میں | دیکھو کہ ضعیف صورت مو رہوں میں
تن پر یہ پڑی ہے گرد بازار کساد | ہوتا ہے یقین کہ زندہ در گور ہوں میں

دبیر

شیریں سخنی کے فن میں مشہور ہوں میں | بدبخت یہ کہتا ہے ارے شور ہوں میں
اس ہند میں طوطی قفس کی مانند | خوبی سے زباں کی زندہ در گور ہوں میں

حیات دبیر

ضعف پیری

(۴۷۰)

کمزور ایسا کسی کو پیری نہ کرے | بلبل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے
دو پاؤں زمیں پہ صورت نقش قدم | گر پیری عصا بھی دستگیری نہ کرے

ایضاً

(۴۷۱)

آزادی میں آفت اسیری آئی　　شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی
ایام شباب کے شکوے کرتے ہیں انیس　　موسم طفلی کا تھا کہ پیری آئی

انتہائے ضعف

(۴۷۲)

راہی طرف عالم بالا ہوں میں　　ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یارب ترے انعام پاک جینے کے لیے　　گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

شدت مرض

(۴۷۳)

تن پہ ہے عرق تپ ہے تب و تاب میں ہوں　　کیا جانے غش آ گیا ہے یا خواب میں ہوں
اس سینۂ سوزناک و چشم نم سے　　آتش میں کبھی ہوں تو کبھی آب میں ہوں

ایضاً

(۴۷۴)

ہے سخت ملول طبع ناساز مری — نوحہ ہے صدائے نغمہ پرواز مری

اللہ رے زور ناتوانی کا انیسؔ — آوازۂ مرگ دل ہے آواز مری

صحت سے یاس

(۴۷۵)

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری — بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری

آتا نہیں آبِ رفتہ پھر جوں میں انیسؔ — اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

ایضاً

(۴۷۶)

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں — رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری — اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

لوگ مرنے کے بعد یاد کریں گے

(۴۷۷)

دردِ فراقِ روح و تن میں ہو گا — پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہو گا
اُس روز کریں گے یاد رونے والے — جس دن نہ انیس انجمن میں ہو گا

بیماری میں امام کی مدد پر بھروسہ

(۴۷۸)

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے — ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے
درکار نہیں مدد کسی کی مجھکو — امدادِ امام قلیل کتنی کافی ہے

وقتِ احتضار اور آمدِ مشکل کشا

(۴۷۹)

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے — آقا آئے ہمارے مولا آئے
مجلت کا محل ہے پیشوائی کیلئے — اے جان نکل علیِ اعلا آئے

میّت کے لئے دُعا

(۴۸۰)

یارب مری میّت کو زمیں پاک ملے دلچسپ مکان قبر فرحناک سجے ملے
یوں خاک شفا میں مر کے مل جاؤں انیسؔ غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

فرمان شاہی

(۴۸۱)

اک شعلۂ نور طور سے آیا ہے مژدہ جان بخش دُور سے آیا ہے
باندھو کمر آداب بجا لا کے انیسؔ فرمان طلب حضور سے آیا ہے

انقلاب ہند

(۴۸۲)

افسوس زمانہ کا عجب طور ہوا کیوں چرخ کہن آہ نیا دور ہوا
اب یاں سے کہیں اور چلو جلد انیسؔ اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

ایضاً

(۴۸۳)

انجام بخیر ابتدا بگڑی ہے — گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے
کشتی سے ابھی ہم کنارے ہو جائیں — الٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

دبیر

کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا — کچھ عادل گئے ظالم گئے جور ہوا
اللہ وہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیر — کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

حیات دبیر

انتزاعِ سلطنت اودھ

(۴۸۴)

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے — جب مُلک کو چرخِ پیر برباد کرے
ہاں کو دیتا کہ پھر خداوندِ کریم — اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

۵ بعض نسخوں میں "چرخ پیر" کے بجائے "یوں تغیر" ہے

مدحِ نظامِ حیدر آباد

و مختار الملک

(۴۸۵)

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں
علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں

مختار الملک و بندگانِ عالی
رحمت پہ رحمت نور پر نور ہے یاں

دعائیہ برائے اہل حیدر آباد

(۴۸۶)

اللہ و رسول حق کی امداد رہے
سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے

نواب یسار یمین اعظم اپنے
یارب آباد حیدر آباد رہے

دعا برائے خود

(۴۸۷)

سرگرم رہوں نبی کی مداحی میں
کام آئے زبان وصی کی مداحی میں

یارب یہ مری عمر کٹے مثل قلم
سجدوں میں ترے علی کی مداحی میں

استغاثہ

(۴۸۸)

اے بادشہ کون و مکاں ادرکنی　　اے عقدہ کشائے دو جہاں ادرکنی

اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے نفس　　یا حضرت صاحب الزمان ادرکنی

ایضاً

(۴۸۹)

سنئے فریاد یا حسین ابن علی　　دیجئے مری داد یا حسین ابن علی

عالم غدار اور میں زار و نحیف　　امداد امداد یا حسین ابن علی

ضمیمہ

حمد باری عز اسمہ

۴۹۰

جب نزع زباں سے جسم بے تاب ہو　　لب تیرا ہو ذکر دل میں تو ہو

ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حی قدیر　　ہر سانس میں لا الہ الا ھو ہو

ایضاً

بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے ۴۹۵ شاخ گل تر زمیں پہ سر دھرتی ہے

استادہ نہیں قیام میں سرو فقط قمری بھی ترے عشق کا دم بھرتی ہے

ایضاً

دل میں ترا درد ہو تو درماں کیا ہے ۴۹۶ تو پیش نظر ہو تو گلستاں کیا ہے

گر راہ نجف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں گر عشق حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

ایضاً

ہیں حضرت عجز ثنا خوان تیرے ۴۹۷ افزوں ہیں مرے شکر سے احساں تیرے

میں کرتا ہوں جرم عفو کرتا ہے تو لائق مرے وہ ہے یہ ہے شایاں تیرے

ایضاً

ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں ۴۹۸ ہاں درد محبت ہی مگر ہم میں نہیں

مجھ سے تیرے لیے ہزاروں ہیں تجھ سا میرے لیے دو عالم میں نہیں

ظاہری ہمدردی پہ مغرور نہ ہونا چاہیے

(۴۹۱)

روتے ہیں لہو سراپا ستم کے لیے　　ہم خلق ہوئے ہیں غم عالم کے لیے

نازاں نہ ہو اپنی دلسوزی پہ　　جلتی نہیں شمع اہل ماتم کیلیے

لوگوں کی تعریف پہ مغرور نہ ہو جاؤ

(۴۹۲)

تعریف اپنی کیوں نہ سمجھے　　خورشید سے خاک کا تو ذرہ ہے

کچھ کھیل نہیں کمال بین ابھی　　یہ منزل ترقی کے لیے آرہ ہے

نکاتِ حسین

۴۹۰

سب اس کی دوا جو مرض آں دشت　　جو زخم ہے اس کے واسطے مرہم ہے

جز اسکے نہیں ہے کوئی کن ہوتا ہے　　وہ نام حسین علیہ السلام کے جیسے دم ہے

ایضاً

۴۹۹

طفلی یہ نشاط و شادمانی کٹ جائے ۔ یا عیش میں موسم جوانی کٹ جائے
تب کچھ یہ عبث ہے اے محبانِ حسینؑ ۔ روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

اصحاب حسینؑ کی تشنگی

۵۰۰

اعدا نے پیا بھی اور بہایا پانی ۔ لشکر نے حسینؑ کے نہ پایا پانی
بازو بھی کٹائے بازوئے سرور نے ۔ اس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

مجلس عزا

۵۰۱

محفل محبوبِ حق کے پیاروں کی ہے ۔ مجلس آقا کے سوگواروں کی ہے
پردہ معصوم کا ہے سایہ اس جا ۔ شیعوں کے سر پہ چھاؤں تاروں کی ہے

موسم گرما کی مجالس

تکلیف کسی کی شے کو منظور نہیں
جنت کی ہوا آئے تو کچھ دور نہیں
گر کر بھنتا نہیں رہیں پروانہ
گرمی ہے مگر گرمی عاشور نہیں

عاجزی و افتادگی

۵۰۲

خاروں سے خلش پھول سے کاوش ہے
راحت کی طلب نہ چین کی خواہش ہے
ہمدم بیگانگی مکان گوشۂ قبر
بستر بھی خاک ترک سر بالش ہے

بار گناہ

۵۰۳

کیا ہو سکے بجز طبع گو جوش پہ ہے
اک مہر سی گویا لب خاموش پہ ہے
کس طرح کروں قطع تری مدح کی راہ
پشتارہ گناہ کا مری دوش پہ ہے

ناقدری کی شکایت

ناقدری احباب سے حیراں ہوں میں
آئینہ فروشِ شہر کوراں ہوں میں

ہے اک نظر لطف ہماری قیمت
بینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

ذہانت و جودت

۵۰۵

آئینہ ہوں سجالِ وہ حیراں ہوں میں
خاطر ہے جمع گو پریشاں ہوں میں

مردم کی پلک ہلی کہ مطلب سمجھا
ہر اک کی نگاہ کا زباں داں ہوں میں

آلام و مصائب

۵۰۶

کیا جانے صبر و تاب کہتے ہیں کسے
آرام ہو کیا شباب کہتے ہیں کسے

پھنکتا رہتا ہوں تا سحر صورتِ شمع
آگاہ نہیں خواب کہتے ہیں کسے

برگشتگیٔ تقدیر

۵۰۷

پوچھو نہ خبر کہ نہ بخیر ہیں اب تو　　آوارہ وطن خاک بسر ہیں اب تو
مانند نگین خاک نشین تھے آگے　　حلقے کی طرح سے دربدر ہیں اب تو

ایضاً

۵۰۸

رونے سے فراغ اب کسی روز نہیں　　بے غم کوئی دم جان غم اندوز نہیں
جز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد　　جز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

کساد بازاری

۵۰۹

باندھے ہوئے گوہر سخن لائے ہیں　　بازار جو بندہے تو شرمائے ہیں
کہتے تھے یہ وزن جنس لینے والے　　جب اٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

عجز و انکسار

٥١٠

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کشت ہوں میں
قابل نہیں تعمیر کے وہ خشت ہوں میں

ناچار ہے جو ابھی شفاعت کریں
مشاطہ کا کیا گلہ کہ خود زشت ہوں میں

مدح خاموشی

٥١١

ہے تیزی عقل و ہوش بیہوشی میں
باتوں میں یہ لطف ہے نہ سرگوشی میں

سمجھے جو زباں بے زبانی تو کہوں
جو مجھکو مزا ملا ہے خاموشی میں

مداح کے ساتھ ممدوح کا احسان

٥١٢

ہر بند پہ ذاکر کو صلا دیتے ہیں
ہر شعر کی داد جا بجا دیتے ہیں

کیا جانئے کاملوں پہ کیا ہوگا لطف
مجھ سے ناقص کا دل بڑھا دیتے ہیں

تصحیح الاغلاط مجموعۂ رباعیات میر انیس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۹	نظم نام	نظم کا نام
۱۶	۳	اور	در اور در
۲۳	۳	مولا ردمی	مولانا رومی
۶۹	۹	ابداد	امداد
۸۱	۱۷	گنشت	گذشت
۹۸	۷۲	دو چیزیں عقبیٰ کیلئے	دو چیزیں پنا بین عقبیٰ کے لئے
۱۰۳	۹۲	جن کو	جس کو
۱۱۵	رباعی ۱۲۷	کسی نے	کس نے
۱۴۸	سرخی	ضمیر و دبیر	ضمیر با دبیر
۲۲۷	سرخی	بہا ہمہ	با ہمہ
۲۴۶	رباعی ۵۰۱	بدرہ معصوم	پدرہ معصوم